PERISHED NATIONS

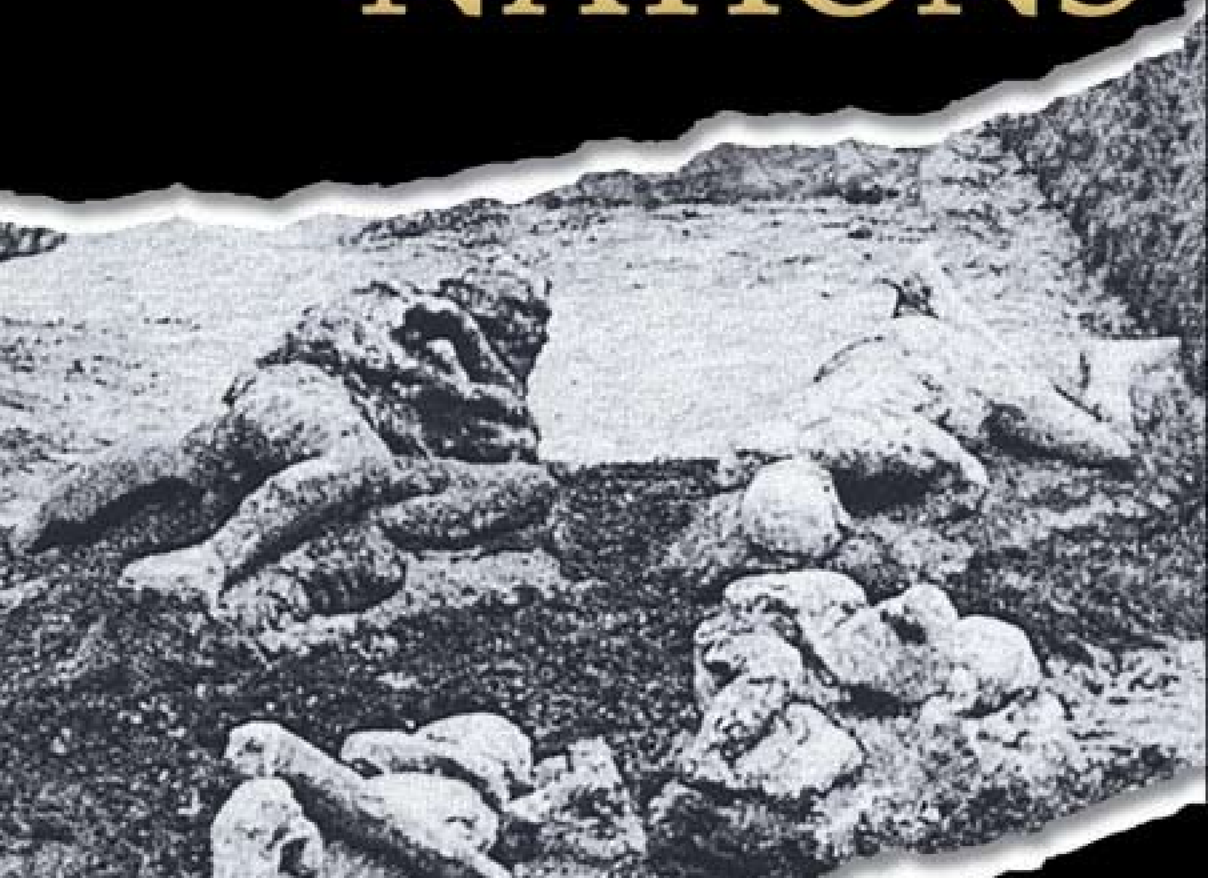

HARUN YAHYA

پیش لفظ

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡبَآئِ الۡقُرٰی نَقُصُّہٗ عَلَیۡکَ مِنۡہَا قَآئِمٌ وَّحَصِیۡدٌO وَمَا ظَلَمۡنٰہُمۡ وَلٰکِنۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ فَمَاۤ اَغۡنَتۡ عَنۡہُمۡ اٰلِہَتُہُمُ الَّتِیۡ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمۡرُ رَبِّکَ ؕ وَمَا زَادُوۡہُمۡ غَیۡرَ تَتۡبِیۡبٍO

(ہود - ۱۰۰-۱۰۱)

''یہ ان بستیوں کے کچھ حالات ہیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں۔ بعض ان میں سے اب تک موجود ہیں اور بعض نیست و نابود ہو گئیں۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ پس (اے رسولؐ) جب آپ کے رب کا حکم آپہنچا تو جن معبودوں کو وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے وہ ان کے کچھ کام نہ آئے اور سوائے ہلاک کرنے کے ان کے حق میں کچھ نہ کر سکے''۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق فرمایا اور اسے روحانی وجسمانی ہیئت عطا کی۔ اسے زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا اور پھر موت کے بعد ایک دن وہ اسے اپنے حضور حاضر کرے گا۔ خالق ہوتے ہوئے انسان کے مقصد تخلیق کا تعین بھی وہی کر سکتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُO (الملک-۱۴)

''بھلا جس نے پیدا کیا، کیا وہ نہ جانے گا؟ اور وہ تو بڑا باریک بین اور بڑا باخبر ہے''۔

یعنی وہی اسے جانتا اور پہچانتا ہے، اسے تربیت دیتا ہے اور اس کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ سو انسان کی زندگی کا واحد اور حقیقی مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرے، اس کے سامنے اپنے عجز و بندگی کا اظہار کرے اور اس کی عبادت کرے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اللہ کا حقیقی پیغام وحی جو اس کے فرستادہ رسولوں کے ذریعے پہنچا، انسان کی رہنمائی کا بنیادی اور اساسی ذریعہ ہے۔ قرآن حکیم اللہ کی آخری کتاب اور غیر متبدل وحی ہے۔

اسی وجہ سے ہم قرآن حکیم کو اپنا حقیقی رہنما تسلیم کرنے اور اس کے احکامات کے مطابق تقویٰ اختیار کرنے کے پابند ہیں۔ اس کی پیروی ہی دنیا و آخرت میں ہماری نجات کا ذریعہ ہے۔ اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم قرآن حکیم کے بیان کردہ حقائق میں غور و فکر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن حکیم کے نزول کا مقصد یہی بیان کیا ہے کہ انسان تدبر و تفکر کی راہ اختیار کرے:

ہٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِیُنۡذَرُوۡا بِہٖ وَلِیَعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا ہُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَّلِیَذَّکَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِO (ابراہیم-۵۲)

''یہ لوگوں کے لیے پیغام ہے۔ اور تاکہ اس کے ذریعے وہ ڈرائے جائیں۔ اور تاکہ وہ جان لیں کہ وہی ایک معبود ہے اور تاکہ عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں''۔

قرآن حکیم کا بڑا حصہ امم سابقہ کے احوال و بیان پر مشتمل ہے جو یقیناً غور و فکر کا متقاضی ہے۔ ان قوموں سے اکثر نے اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی دعوت

کو مسترد کر دیا اور ان کے ساتھ بغض و عناد اختیار کیا۔ ان کی اسی سرکشی کے باعث ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور وہ صفحہ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دی گئیں۔

قرآن حکیم گزشتہ اقوام کی تباہی کی ان مثالوں کو بعد میں آنے والوں کے لیے عبرت قرار دیتا ہے۔ مثلاً احکام الٰہی سے بغاوت کرنے والے یہودیوں کے گروہ کو دی جانے والی سزا کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ○

(البقرہ۔٦٦)

''سو ہم نے اس واقعہ کو ان کے ہم عصروں کے لیے اور جو بعد میں آنے والے تھے ان کے لیے باعث عبرت بنا دیا اور اللہ سے ڈرنے والوں کے نصیحت بنا دیا''۔

اس کتاب میں احکامِ الٰہی سے انحراف کے سبب ہلاک ہونے والے چند معاشروں کا تذکرہ کیا جائے گا۔ ہمارا مقصود ایسے تمام واقعات کو نمایاں کرنا ہے جو اپنے دور کے لیے بھی ایک مثال تھے اور ہمارے لیے بھی سامانِ عبرت۔

سابقہ اقوام کی تباہی کے حالات پر غور و فکر کا دوسرا مقصد آیاتِ قرآنی کے آثار کو خارجی دنیا میں تلاش کرنا اور قرآنِ حکیم کی حقانیت کو بیان کرنا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ اپنی آیات کے خارجی دنیا میں قابل مشاہدہ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ (النمل۔٩٣)

''اور آپ فرما دیجئے! تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ جلد ہی تم کو اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم ان کو پہچان لو گے اور تمہارا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو''۔

گویا ان نشانیوں کو جاننا اور پہچان لینا پختگیٔ ایمان کا ذریعہ ہے۔

آج کے دور میں ماہرینِ آثارِ قدیمہ کی تحقیقات اور دریافتوں کے نتیجے میں قرآنِ حکیم میں بیان کردہ سابقہ اقوام کی تباہی کے حالات قابل مشاہدہ ہو چکے ہیں۔ زیر نظر تصنیف میں ہم اسی نوعیت کے کچھ آثار کا مطالعہ کریں گے (یہ امر واضح رہے کہ قرآنِ حکیم میں بیان کردہ کچھ اقوام کو اس کتاب میں شامل نہیں کیا گیا کیونکہ قرآن حکیم نے ان کا زمانی و مکانی تعین نہیں کیا بلکہ صرف ان کے باغیانہ طرزِ عمل، احکام الٰہیہ اور اس کے رسولوں کے سلسلے میں سرکشی کو بیان کرتے ہوئے ان کے تذکرے سے عبرت و نصیحت اخذ کرنے کی تعلیم دی ہے)۔

ہمارا مقصد عصری تحقیقات کی روشنی میں قرآنی حقائق کی وضاحت کرنا ہے تاکہ اللہ کے پیغام کی حقانیت اہل ایمان اور اغیار ہر دو پر واضح ہو جائے۔

تعارف

گزشتہ اقوام

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ لا وَقَوْمِ اِبْرَاهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ط اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ج فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْآ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ O

(التوبہ۔۷۰)

’’کیاان کو لوگوں کی خبر نہ پہنچی جو ان سے قبل تھے۔(مثلاً) نوحؑ اور عاد اور ثمود کی قوم، ابراہیمؑ کی قوم اور مدین والوں کی اور ان لوگوں کی جن کی بستیاں تہ و بالا کر دی گئیں۔ ان کے پاس (بھی) ان کے رسول اللہ کے کھلے ہوئے احکام لے کر پہنچے تھے۔ پس اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا در اصل وہ اپنے پر خود ہی ظلم کر رہے تھے (یعنی ایسے کام کرتے تھے کہ ان کا نتیجہ ان کی تباہی کی صورت میں نکلا)‘‘ ۔

اللہ کا پیغام ہدایت انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی اس کے رسولوں کے ذریعے انسان تک پہنچا دیا گیا۔ کچھ معاشروں نے اس پیغام کو قبول کیا اور کچھ نے اسے مسترد کر دیا۔ بعض اوقات لوگوں کی ایک اقلیت نے ہی پیغمبر کے دیے گئے پیغامِ ہدایت کی پیروی کی مگر اکثریت نے پیغام کو سننے کے باوجود قبول نہ کیا۔ انہوں نے نہ صرف انبیاء علیہم السلام کے دیے گئے پیغامِ ہدایت کو رد کیا بلکہ انہیں اور ان کی پیروی کرنے والوں کو اذیتیں دیں۔ انبیائِ کرام علیہم السلام پر عموماً کذب وافتراء، جادو گری، پاگل پن اور خود نمائی کے جھوٹے و گھٹیا الزام لگائے گئے اور ان باغیوں کے بڑوں نے اکثر انبیائِ کرامؑ کو قتل بھی کر دیا۔

انبیاءِ کرام علیہم السلام ان اقوام سے صرف اطاعتِ الٰہی کا مطالبہ کرتے تھے۔ وہ ان سے کسی مال و دولت یا دنیاوی نفع کے طلب گار نہ تھے نہ ہی وہ لوگوں پر جبر کرتے تھے۔ بلکہ وہ تو انہیں صرف سچائی کے مذہب کی طرف آنے اور پیغام ربانی کی اطاعت کرتے ہوئے معاشرے کی گمراہ کن روش سے ہٹ کر زندگی گزارنے کی دعوت دیتے تھے۔

ان اقوام میں انبیائِ کرام علیہم السلام و معاشرے کے اس باہمی تعلق کی وضاحت حضرت شعیبؑ اور مدین کے لوگوں کے تذکرے سے ہوتی ہے جب حضرت شعیب ں نے اپنی قوم کو ظلم و ناانصافی ترک کرنے کی تعلیم دی اور اللہ پر ایمان لانے کو کہا تو اس پر ان کی قوم کے رد عمل کو قرآنِ حکیم یوں بیان کرتا ہے:

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ط قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ O وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ O بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ج وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ O قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِىْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ط اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ O قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَرَزَقَنِىْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ط وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ط اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ط وَمَا تَوْفِيْقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ O وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِىْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ط وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ O وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ط اِنَّ رَبِّىْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ O قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ج وَلَوْلَا رَهْطُكَ

لرجمنك وما انت علينا بعزيز ○ قال يقوم ارهطي اعز عليكم من الله واتخذتموه وراءكم ظهريا ان ربي بما تعملون محيط ○ ويقوم اعملوا على مكانتكم اني عامل سوف تعلمون من يأتيه عذاب يخزيه ومن هو كاذب وارتقبوا اني معكم رقيب ○ ولما جاء امرنا نجينا شعيبا والذين امنوا معه برحمة منا واخذت الذين ظلموا الصيحة فاصبحوا في ديارهم جثمين ○ كان لم يغنوا فيها الا بعدا لمدين كما بعدت ثمود ○ (ہود۔۴۸۔۵۹)

''اور (اہل) مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اور ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو۔ میں تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور مجھے تم پر ایک گھیر لینے والے دن کے عذاب (کے مسلط ہونے) کا ڈر ہے۔

اور اے میری قوم! ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کو کبھی ان کی چیزیں کم تول کر نہ دیا کرو۔ اور زمین پر فساد مت پھیلاتے پھرو۔ جو اللہ کا دیا تمہارے لیے بچ رہے وہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے اگر تم کو یقین ہے۔ اور میں تم پر نگران نہیں ہوں۔

وہ بولے اے شعیبؑ! کیا تمہاری نماز تم کو یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان کی پرستش چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آتے ہیں یا یہ کہ ہم اپنے مال میں جس طرح چاہیں تصرف نہ کریں تم تو بڑے باوقار، نیک چلن (رہ گئے) ہو۔

کہا اے میری قوم! دیکھو تو اگر اللہ کی طرف سے میں ایک دلیل روشن پر قائم ہوں اور اس نے مجھ کو اپنے ہاں سے نیک روزی عطا فرمائی ہے اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جو کام تم سے چھڑاؤں وہ بعد کو خود کرنے لگوں۔ میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے تمہاری اصلاح چاہتا ہوں۔ میرا کامیاب ہونا تو بس اللہ ہی (کے فضل وکرم) سے ہے۔ میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اور اے میری قوم! میری مخالفت تم کو نافرمانیوں پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم پر بھی ویسی ہی مصیبت نازل ہو جیسی قوم نوحؑ یا قوم ہودؑ یا قوم صالحؑ پر نازل ہوئی اور لوطؑ کی قوم (کا زمانہ) تو تم سے کچھ بہت دور بھی نہیں۔

اور اپنے رب سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہو پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ بے شک میرا رب بڑا بخشنے والا (اور) محبت کرنے والا ہے۔

وہ کہنے لگے اے شعیبؑ جو باتیں تم کہتے ہو ان میں اکثر ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اور ہم تم کو اپنے لوگوں میں ایک کمزور (اور بے بس انسان) پاتے ہیں۔ اور اگر تمہارے بھائی بند نہ ہوتے تو ہم تم کو سنگسار کر چکے ہوتے۔ اور ہماری نگاہ میں (خود) تمہاری کوئی عزت نہیں۔

انہوں نے فرمایا! اے میری قوم کیا میرے کنبہ کا دباؤ تم پر اللہ سے زیادہ ہے اور اس (اللہ) کو تم نے پس پشت ڈال رکھا ہے۔ بے شک میرے رب کے علم میں ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

اور اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ کام کرتے جاؤ میں اپنی جگہ کام کیے جاتا ہوں۔ تم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کن عذاب کس پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے؟ اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

اور جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے شعیبؑ کو اور ان کے ساتھی جو ایمان لائے تھے ان کو اپنی رحمت سے بچا لیا۔ اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو ایک زور کے کڑاکے نے آلیا۔ پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

گویا وہ کبھی وہاں آباد ہی نہ ہوئے تھے۔ سن لو کہ مدین (والوں) پر اللہ کی پھٹکار ہے جیسے کہ (قوم) ثمود پر پھٹکار تھی''۔

حضرت شعیب ں کی نیکی کی دعوت کے جواب میں جب آپ کی قوم نے آپ کو سنگسار کرنا چاہا تو اہل مدین پر اللہ کا غضب اترا اور وہ متذکرہ بالا آیات کے مطابق تباہ کر دیے گئے۔ اس حقیقت کی واحد مثال اہل مدین ہی نہیں ہیں بلکہ جب حضرت شعیب ں انہیں دعوت الی الحق دے رہے تھے تو آپ نے ان کے سامنے گزشتہ کئی اقوام کے احوال بھی بیان کیے جو اس گمراہی کے سبب تباہ ہو گئیں۔ اسی طرح اہل مدین کے بعد بھی کئی اقوام اپنی گمراہی و سرکشی کے سبب غضبِ الٰہی کا شکار ہوئیں۔

آنے والے صفحات میں ہم انہیں تباہ ہونے والی اقوام اور ان کے آثار کا تذکرہ کریں گے۔ قرآنِ حکیم میں ان اقوام کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان پر غور کرنے اور ان سے نصیحت لینے کا درس دیا گیا ہے کہ یہ اقوام کیوں تباہی سے دوچار ہوئیں۔ اس موقع پر قرآنِ حکیم اس طرف خصوصی طور پر اشارہ کرتا ہے کہ تباہی سے دوچار ہونے والی اقوام نے بھی اعلیٰ تہذیبیں قائم کر لی تھیں۔ قرآنِ حکیم نے ان اقوام کے اعلیٰ تہذیبی معیار کا تذکرہ یوں کیا ہے :

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ط هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ O (ق۔ ۶۳)

"اور ان سے قبل ہم کتنی ہی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں (لیکن جب ہمارا عذاب آیا) لگے شہروں کو چھاننے کہ کہیں بھاگنے کی جگہ ہے؟"

اس آیہ مبارکہ میں تباہ ہونے والی اقوام کی دو خصوصیات کا بطور خاص تذکرہ کیا گیا ہے:

پہلا یہ کہ وہ بہت طاقتور اقوام تھیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ انہوں نے ایک طاقتور اور منظم فوجی و انتظامی ڈھانچہ قائم کر لیا تھا اور اس کے بل بوتے پر خطے میں تسلط حاصل کر لیا تھا۔ دوسرا یہ کہ انہوں نے مخصوص فنِ تعمیر کے حامل بڑے بڑے شہر بنا لیے تھے۔

یہ امر قابلِ غور ہے کہ یہ دونوں خصوصیات آج کی تہذیب سے بھی تعلق رکھتی ہیں، جس نے سائنس و ٹیکنالوجی کے ذریعے وسیع عالمی کلچر، مرکزی ریاستی نظام اور بڑے بڑے شہر بنا لیے مگر یہ فراموش کرتے ہوئے کہ سب کچھ اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ سے ہی ممکن ہے۔ قرآن حکیم اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اللہ کا انکار کرنے والی اقوام کو ان کی قائم کردہ بڑی اور مضبوط تہذیبیں نہ بچا سکیں یعنی اللہ کے انکار اور سرکشی سے عبارت آج کی تہذیب کا انجام بھی گزشتہ اقوام سے کچھ مختلف نہ ہو گا۔

قرآن حکیم میں بیان کردہ تباہی کے اکثر واقعات کی تصدیق عہدِ حاضر کی آثارِ قدیمہ کی تحقیقات نے کر دی ہے۔ قرآنی واقعات کی تصدیق کرنے والی یہ دریافتیں قرآن کے بیان کردہ تذکروں سے عبرت خیزی کا تقاضا کرتی ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں زمین میں سفر کرنے اور گزشتہ اقوام کے اعمالِ بد کے انجام کا مشاہدہ کرنے کی تعلیم دی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ط اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ O حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ط وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ O لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ط مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ O (یوسف۔ ۱۰۹۔ ۱۱۱)

"اور (اے رسولؐ) آپ سے قبل ہم نے بستیوں کے رہنے والوں میں سے مرد ہی (نبی چن کر) بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔ کیا یہ لوگ زمین میں گھومے پھرے نہیں کہ ان لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے پہلے تھے اور آخرت کا گھر ان کے لیے بہتر ہے جو اللہ کے فرمان بجا لاتے ہیں۔ کیا تم نہیں سمجھتے۔

یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہونے لگے اور مشرکین گمان کرنے لگے کہ (نبیوں کا وعدہ) صحیح نہ نکلا، ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی۔ پھر جن کو ہم نے عذاب سے بچانا چاہا بچا لیا اور گناہگاروں سے ہمارا عذاب پھرا نہیں کرتا۔

بے شک ان کے حالات میں سمجھ بوجھ والوں کے لیے عبرت ہے اور یہ قرآن کوئی بنائی ہوئی بات تو ہے نہیں بلکہ تمام پہلی صداقتوں کی تصدیق کرنے والا اور ہر (ضروری) بات کو کھول کر بیان کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لیے تو ہدایت و رحمت ہے"۔

بے شک اہل بصیرت کے لیے گزشتہ اقوام کے تذکرے میں نصیحت ہے۔ اللہ کے احکام کو مسترد کرنے اور سرکشی و بغاوت کی راہ اختیار کرنے پر تباہی سے دوچار ہونے والی اقوام اس امر کی واضح مثال ہیں کہ اللہ کے سامنے انسان کتنا عاجز و بے بس ہے۔ اب ہم قرآن حکیم کی ان مثالوں کا تاریخی ترتیب سے ذکر

کریں گے۔

باب اوّل

طوفانِ نوحؑ

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖ فَلَبِثَ فِیۡہِمۡ اَلۡفَ سَنَۃٍ اِلَّا خَمۡسِیۡنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَہُمُ الطُّوۡفَانُ وَ ہُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ۝ (العنکبوت۔۴۱)

"اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ پھر وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار سال رہے۔ (مگر ان کی قوم انہیں جھٹلاتی رہی) بالآخر ان کو طوفان نے آ پکڑا اس لیے کہ وہ ظالم تھے"۔

کم و بیش دنیا کے تمام تہذیبوں میں مذکور طوفانِ نوح کا تذکرہ قرآن حکیم نے بھی کثرت سے کیا ہے۔ قوم نوح کی اپنے پیغمبر کی نصیحت سے سرکشی، ان کا رد عمل اور پھر اس کے نتیجے میں طوفان کا وقوع پذیر ہونا، یہ سب واقعات قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر بیان کیے گئے ہیں۔

حضرت نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف، جو کہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہوئے گمراہی اور شرک میں مبتلا ہو چکی تھی، مبعوث کیا گیا کہ وہ ان تک پیغام حق پہنچائیں۔ حضرت نوحؑ کی مسلسل تبلیغ اور اللہ کے غضب و گرفت سے ڈرانے کے باوجود ان کی قوم شرک پر مصر رہی۔ سورۃ المؤمنون میں اس تفصیل کو یوں بیان کیا گیا ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ط اَفَلَا تَتَّقُوْنَ o فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ مَا ھٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ لا یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْکُمْ ط وَ لَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِکَۃً ج مَّا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ o اِنْ ھُوَ اِلَّا رَجُلٌ م بِہٖ جِنَّۃٌ فَتَرَبَّصُوْا بِہٖ حَتّٰی حِیْنٍ o قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا کَذَّبُوْنِ o (المؤمنون۔ ۲۳۔ ۲۶)

''اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، تو انہوں نے ان سے کہا اے میری قوم تم اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم کو خوف نہیں؟

پس ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ (لوگو!) یہ تمہارے جیسا ایک انسان ہی تو ہے جو تم پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور اللہ اگر (نبی ہی بھیجنا) چاہتا تو کوئی فرشتہ اتارتا۔ ہم نے تو اپنے پہلے باپ دادوں سے یہ نہیں سنا۔

یہ تو بس ایک دیوانہ آدمی ہے پس کچھ مدت تک اس کا انتظار کرتے رہو۔

(نوحؑ نے) عرض کی اے میرے رب! تو میری مدد فرما کہ انہوں نے میری تکذیب کی''۔

جیسا کہ ان آیات میں بیان کیا گیا ہے، قوم نوحؑ کے سرداروں نے حضرت نوحؑ پر الزام لگایا کہ وہ ذاتی مفادات، عزت و مرتبہ، قیادت اور دولت حاصل کر کے ان پر برتری حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان سرداروں نے وقتی طور پر حضرت نوحؑ کے ساتھ گزارہ کرتے ہوئے انہیں دباؤ میں رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو بتایا کہ یہ سرکش لوگ، جنہوں نے دعوت ایمان کو مسترد کیا اور سرکشی اختیار کی جلد ہی ڈبو کر ہلاک کر دیے جائیں گے اور اہل ایمان کو نجات عطا کی جائے گی۔

آخر کار جب تباہی کا وقت آیا، زمین سے پانی کے چشمے ابل پڑے اور ساتھ ہی شدید بارش شروع ہو گئی جو ایک عظیم طوفان میں بدل گئی، اللہ تعالیٰ نے نوحؑ کو ہر نوع کے نر و مادہ جوڑے اور اپنے خاندان کو سوا ان کے جن کی تباہی کا فیصلہ ہو چکا تھا کشتی پر لے جانے کا حکم دیا۔ زمین پر موجود سب لوگ تباہ کر دیے گئے حتیٰ کہ حضرت نوحؑ کا بیٹا بھی، جس نے یہ سوچا تھا کہ قریبی پہاڑ پر چڑھ کر اپنی جان بچا لے گا۔ حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی پر موجود لوگوں کے علاوہ سب ڈوب گئے۔ جب سیلاب ختم ہونے پر پانی اترا تو کشتی نوح کوہ جودی پر آ کر رک گئی جو قرآن حکیم کے مطابق ایک بلند جگہ تھی۔

آثارِ قدیمہ، ارضیات اور تاریخ کے شواہد بتاتے ہیں کہ یہ واقعہ قرآن حکیم کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق ہی پیش آیا۔ کئی گزشتہ تہذیبوں کے ریکارڈ اور تاریخی دستاویزات میں بھی اس سیلاب کا تذکرہ کیا گیا ہے اگرچہ اس کی خصوصیات اور جگہوں کے نام میں اختلاف ہے مگر گمراہ لوگوں کے اس انجام کو ہم عصر لوگوں کے سامنے بطورِ عبرت بیان کیا گیا ہے۔

عہد نامہ قدیم اور جدید کے علاوہ طوفان نوحؑ کی تفصیلات اسی طرز پر سمیرین اور اسائیرین و بابل کی تاریخ، یونانی کہانیوں، ہندوستان کی شتاپتا، براہمہ اور مہا بھارتہ رزمیوں، برطانوی جزائر کی ویلز کی کہانیوں، نارڈک ریڈا، لیتھولیائی داستانوں اور چین کی کہانیوں میں بھی ملتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جغرافیائی اور تہذیبی لحاظ سے فاصلوں پر واقع ان دور دراز خطوں میں، جو طوفان کی جائے وقوع سے بھی دور واقع ہیں، اتنی مفصل اور مستند تفصیلات کس طرح موجود ہو سکتی ہیں؟ اس سوال کا جواب بڑا واضح ہے۔ یہ حقیقت کہ بغیر ذرائع ابلاغ کی موجودگی کے مختلف اقوام کی تاریخ اور تحریروں میں طوفانِ نوحؑ کا تذکرہ ملتا ہے، اس امر کا ثبوت ہے کہ انہیں اس کی اطلاع الوہی ذریعے ہی سے ملی۔ تاریخ کے سب سے بڑے تباہ کن واقعہ یعنی طوفانِ نوح کی اطلاع مختلف اقوام کو ان کی طرف آنے والے انبیائے کرام علیہم السلام نے دی۔ اس طرح طوفان نوح کی خبر پوری دنیا کی اقوام میں پھیل گئی۔

اگرچہ طوفانِ نوحؑ کا تذکرہ مختلف اقوام، تہذیبوں اور مذاہب میں ملتا ہے مگر اس میں کئی جگہ تحریف کر دی گئی ہے جس سے یہ واقعہ اپنے اصل بیان سے ہٹ گیا کیونکہ اس میں بدنیتی یا غلط ابلاغ کے سبب بہت سی غلط تفصیلات در آئیں۔ تاہم تحقیق اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ سیلاب کی ان تفصیلات کا واحد قابل اعتماد ماخذ قرآن حکیم ہے جس نے پوری ثقاہت سے اس واقعے کی تفصیلات بیان کی ہیں۔

قرآن حکیم میں حضرت نوحؑ اور طوفان کا تذکرہ:

قرآن حکیم کی کئی آیات میں طوفانِ نوحؑ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ذیل میں واقعات کی ترتیب کے مطابق کچھ آیات بیان کی جاتی ہیں۔

حضرت نوحؑ کی اپنی قوم کو دعوتِ حق:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ط اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ o (اعراف۔۹۵)

''بے شک ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔پس انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو،اس کے سوا اور کوئی تمہارا معبود نہیں۔میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بڑے سخت دن کا عذاب نہ آجائے''۔

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ o فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ o وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ ج اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ o

(الشعراء۔۷۰۱۔۰۱۱)

''بے شک میں تمہارے لیے (اللہ کا) ایک معتبر پیغام لانے والا ہوں۔پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔اور میں تم سے اس کا کوئی صلہ نہیں مانگتا۔میرا اجر تو سب جہانوں کے پروردگار کے ذمہ ہے پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو''۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ط اَفَلَا تَتَّقُوْنَ o (المومنون۔۳۲)

''اور بے شک ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔تو انہوں نے ان سے کہا اے میری قوم تم اللہ ہی کی عبادت کرو۔اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔کیا تم کو خوف نہیں؟''

حضرت نوحؑ کا اپنی قوم کو اللہ کی گرفت سے ڈرانا:

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَکَ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ o (نوح۔۱)

''ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تا کہ قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب آئے آپ اپنی قوم کو (اس عذاب سے) ڈرائیں''۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لا مَنْ یَّاْتِیْہِ عَذَابٌ یُّخْزِیْہِ وَیَحِلُّ عَلَیْہِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ o (ہود۔۹۳)

''پس تم عنقریب جان لو گے کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے اور (آخرت کا) دائمی عذاب کس پر نازل ہوتا ہے''۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ ط اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ o

(ہود۔۶۲)

''کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔مجھے تم پر ایک دردناک دن کے عذاب کا ڈر ہے''

قوم نوحؑ کا انکار:

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِہٖٓ اِنَّا لَنَرٰکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ o (اعراف۔۰۶)

''ان کی قوم کے سردار کہنے لگے کہ ہم تو تم کو کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں''۔

قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَکْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ o (ہود۔۲۳)

''وہ کہنے لگے اے نوحؑ تم ہم سے جھگڑ چکے اور بہت جھگڑ چکے۔اب وہ چیز جس سے ہمیں ڈراتے ہو لے آؤ اگر تم سچے ہو''۔

وَیَصْنَعُ الْفُلْکَ قف وَکُلَّمَا مَرَّ عَلَیْہِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِہٖ سَخِرُوْا مِنْہُ ط قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْکُمْ کَمَا تَسْخَرُوْنَ o (ہود۔۸۳)

''چنانچہ نوحؑ نے کشتی بنانی شروع کر دی اور جب بھی ان کی قوم کے سرداران کے پاس سے گزرتے ان کا مذاق اڑاتے۔نوحؑ نے کہا کہ اگر آج تم ہم پر ہنستے ہو

توعنقریب ہم تم پر ہنسیں گے جیسے تم ہنستے ہو"۔

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هٰذَآ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ لا يُرِيدُ أَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَأَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ج مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي آبَآئِنَا الْأَوَّلِينَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ م بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتّٰى حِينٍ ۝

(المومنون۔۲۴۔۲۵)

"پس ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ یہ تمہارے جیسا ایک انسان ہی تو ہے جو تم پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے اور اللہ اگر چاہتا تو کوئی فرشتہ اتارتا۔ ہم نے تو اپنے پہلے باپ دادوں سے یہ نہیں سنا۔ یہ تو بس ایک دیوانہ آدمی ہے۔ پس کچھ مدت تک اس کا انتظار کرتے رہو"۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ۝

(القمر۔۹)

"ان سے قبل نوح کی قوم نے تکذیب کی یعنی ہمارے بندے نوح کو جھٹلایا اور کہا کہ یہ دیوانہ ہے اور ان کو جھڑکا بھی گیا"۔

قوم نوحؑ کا اہل حق سے سلوک:

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرٰكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ ج وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ م بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِينَ ۝ (ہود۔۲۷)

اس پر ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے: ہم کو تو تم ہم ہی جیسے ایک انسان نظر آتے ہو۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی تمہارا پیرو بھی نہ ہوا بجز چند رذیل سطحی رائے والے لوگوں کے۔ اور اے نوحؑ! ہم تم میں اپنے اوپر فضیلت کی کوئی وجہ نہیں پاتے۔ بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں"۔

قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ۝ قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلٰى رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ۝ وَمَآ أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ (الشعراء۔۱۱۱۔۱۱۵)

"وہ کہنے لگے: کیا ہم تم پر ایمان لائیں حالانکہ تمہارے پیرو حقیر لوگ ہیں۔ نوحؑ نے فرمایا: مجھے اس سے کیا غرض کہ وہ لوگ پہلے کیا کرتے تھے۔ ان سے حساب لینا میرے پروردگار کے ذمہ ہے۔ کاش تم یہ بات سمجھ سکتے۔ اور میں ایمان لانے والوں کو اپنے سے دور کرنے والا نہیں۔ میں تو بس صاف طور پر (ایک اللہ سے) ڈرانے والا ہوں"۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوحؑ کو غمزدہ نہ ہونے کی تاکید:

وَأُوحِيَ إِلٰى نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ (ہود۔۳۶)

"اور نوح کی طرف وحی ہوئی کہ جو لوگ ایمان لاچکے ان کے علاوہ اب کوئی تمہاری قوم میں ایمان نہ لائے گا پس جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں اس کی وجہ سے کچھ غم نہ کرو"۔

حضرت نوحؑ کی دعا:

فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِي وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

(الشعراء۔۱۱۸)

"(حضرت نوحؑ نے التجا کی) اے میرے رب! سو تو ہی میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا فیصلہ فرمادے اور مجھے اور جو میرے ساتھ ایمان لانے والے ہیں ان کو بچالے"۔

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ○ (القمر۔۱۰)

اور پھر نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا کہ میں عاجز آگیا ہوں پس تو ہی ان سے بدلہ لے"۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ○ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْٓ اِلَّا فِرَارًا ○ (نوح۔۵۔۶)

"(نوحؑ نے) عرض کی: اے میرے رب میں اپنی قوم کو رات دن (حق کی طرف) بلاتا رہا لیکن وہ میرے بلانے سے (دین سے) اور زیادہ بھاگنے لگے"۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ○ (المومنون۔۲۶)

"(نوحؑ نے) عرض کی: اے میرے رب تو میری مدد فرما کہ انہوں نے میری تکذیب کی"۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ ○ (الصّٰفّٰت۔۷۵)

"اور ہمیں نوحؑ نے پکارا پس ہم کیا خوب فریاد کو پہنچنے والے ہیں"۔

کشتی کی تیاری:

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَ وَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْاۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ○ (ہود۔۳۷)

"اور (اے نوحؑ) ایک کشتی تیار کرو ہمارے روبرو اور ہمارے حکم کے مطابق۔ اور اب ظالموں کے حق میں مجھ سے بات نہ کرنا۔ بے شک یہ غرق ہو کر رہیں گے"۔

قوم نوحؑ کی ہلاکت:

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ ○ (الاعراف۔۶۴)

"پھر بھی ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی۔ تو ہم نے نوح کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے ان کو بچالیا اور ہم نے ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے غرق کردیا۔ بے شک وہ ایک اندھی قوم تھی"۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ ○ (الشعراء۔۱۲۰)

"پھر اس کے بعد باقی رہنے والے لوگوں کو ہم نے ڈبو دیا"۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًاؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ (العنکبوت۔۱۴)

"اور بے شک ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ پھر وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار سال رہے۔ بالآخر ان کو طوفان نے آپکڑا اس لیے کہ وہ ظالم تھے"۔

فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ○ (الاعراف۔۷۲)

"پھر ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے بچالیا۔ اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور مومن نہ تھے ہم نے ان کی جڑ کاٹ ڈالی"۔

پسر نوحؑ کی ہلاکت:

طوفان کے ابتدائی مرحلے پر حضرت نوح اور ان کے بیٹے کے درمیان ہونے والی گفتگو کو قرآن حکیم اس طرح بیان کرتا ہے:

وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ قف وَنَادٰى نُوْحُ اِۨبْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ○ قَالَ سَاٰوِیْٓ اِلٰى جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَۚ وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ○ (ہود۔۴۲۔۴۳)

"اور وہ کشتی ان کو پہاڑ جیسی لہروں میں لیے چلی جارہی تھی اور نوحؑ نے اپنے بیٹے کو کہ وہ کنارے ہو رہا تھا پکارا: اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور

ان کافروں کے ساتھ نہ رہ۔ بولا: میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا۔ فرمایا: آج کوئی اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہیں مگر جس پر وہ رحم فرمائے اور دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہوگئی اور وہ ڈوب کر رہ گیا۔

اہل ایمان کی نجات:

فَاَنْجَیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ○ (الشعراء۔۱۱۹)

"چنانچہ ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی میں بچالیا"۔

فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ (العنکبوت۔۱۵)

"یوں ہم نے ان کو اور کشتی والوں کو بچالیا۔ اور اس میں دنیاوالوں کے لیے ایک نشانی ہے"۔

طوفانِ نوحؑ کی نوعیت:

فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ○ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ○ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ○

(القمر۔۱۱۔۱۳)

"پھر ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمان کے دہانے کھول دیے۔ اور زمین سے چشمے بہادیے پھر سب پانی ایک ہی کام کے لیے جو مقرر ہو چکا تھا، جمع ہوگیا۔ اور ہم نے اس کو تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر سوار کردیا"۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ○ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ قف وَنَادٰى نُوْحُ ِۨابْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ○ (ہود۔۴۰-۴۲)

"یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور ابلنے لگا تو ہم نے نوحؑ کو حکم دیا کہ ہر ایک جنس سے ایک جوڑا دو عدد اس میں سوار کرلو اور اپنے گھر کے لوگوں کو سوائے اس کے جس کے متعلق حکم ہو چکا ہے اور سب ایمان والوں کو اور ان کے ساتھ بہت کم لوگ ایمان والے تھے۔

اور نوحؑ نے کہا کہ اس میں سوار ہو جاؤ اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا اللہ کے نام سے ہے۔ بے شک میرا رب بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اور وہ کشتی ان کو پہاڑ جیسی لہروں میں لیے چلی جارہی تھی اور اس وقت نوحؑ نے اپنے بیٹے کو کہ وہ کنارے ہو رہا تھا پکارا: اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور ان کافروں کے ساتھ نہ رہ"۔

فَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ○

(المومنون۔۲۷)

"پس ہم نے ان کی طرف وحی کی کہ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے ایک کشتی بناؤ۔ پھر جب ہمارا حکم آپہنچے اور تنور ابلنے لگے تو ہر جوڑے سے دو دو اس میں رکھ لو اور اپنے گھر والوں کو بھی۔ سوائے ان کے جن پر حکم پہلے ہی صادر ہو چکا ہے۔ اور ایسے کافروں سے متعلق ہم سے کچھ نہ کہنا کیونکہ وہ سب غرق کیے جائیں گے"۔

بلند مقام پر کشتی کا قیام:

وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ○ (ہود۔۴۴)

"اور حکم دیا گیا اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا۔ اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام ہوا۔ اور کشتی کوہ جودی پر جا کر ٹھہری۔ اور کہا گیا کہ ظالموں کے لیے (اللہ کی رحمت سے) دوری ہے"۔

طوفان نوحؑ کا نصیحتی پہلو:

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّ تَعِیَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ ۝ (الحاقۃ۔۱۱۔۱۲)

"جب پانی میں طغیانی آئی تو ہم نے تم کو کشتی پر سوار کر دیا تاکہ اس واقعہ کو ہم تمہارے لیے باعث نصیحت بنادیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں"۔

اللہ کے حضور حضرت نوحؑ کا مقام:

سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (الصّٰفّٰت۔۷۹۔۸۱)

"سارے جہان والوں میں نوحؑ پر سلام ہو۔ ہم اپنے نیک بندوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں"۔

طوفان نوحؑ سے ہونے والی تباہی کا دائرہ کار:

طوفانِ نوحؑ کا انکار کرنے والے یہ جواز بیان کرتے ہیں کہ پورے کرۂ ارض کا احاطہ کرنے والا عالمگیر طوفان ناممکن ہے۔ تاہم طوفان کے وقوع سے ان کے انکار کا مقصد قرآن حکیم کی حقانیت کا انکار کرنا ہے۔ ان کے مطابق تمام مبنی بر وحی کتبِ سماوی بشمول قرآن حکیم ایک عالمگیر طوفان کا تذکرہ کرتی ہیں جو حقائق و امکان کے منافی ہے۔

مگر اس بنیاد پر قرآن کا انکار درست نہیں۔ قرآن حکیم اللہ کی طرف سے اتارا گیا اور واحد تحریف سے پاک الوہی کتاب ہے۔ قرآن حکیم نے دوسری کہانیوں اور خمسہ موسوی (Pentateuch) کی نسبت طوفانِ نوح کو مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتب، خمسہ موسوی کے مطابق یہ طوفان عالمگیر تھا جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ مگر قرآن اسے ایسا بیان نہیں کرتا۔ طوفانِ نوح سے متعلق قرآنی آیات بیان کرتی ہیں کہ یہ طوفان ایک مخصوص علاقے میں آیا جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں نہیں لیا بلکہ اس سے قوم نوح ہی تباہی سے دوچار ہوئی جسے حضرت نوحؑ پہلے خبردار کر چکے تھے۔

جب قرآن حکیم اور عہد نامہ قدیم کے بیانات کو دیکھا جائے تو یہ فرق واضح ہو جاتا ہے۔ عہد نامہ قدیم جو تاریخ کے مختلف ادوار میں تغیر و تبدل کا شکار رہے، کے سبب اصل آسمانی کتاب قرار نہیں دیا جا سکتا، طوفانِ نوح کا تذکرہ یوں کرتا ہے:

"اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اس کے دل کے تصور اور خیال سدا برے ہوتے ہیں، تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا اور دل میں غم کیا۔ اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔ انسان سے لے کر حیوان اور رینگنے والے جاندار اور ہوا کے پرندوں تک کیونکہ میں ان کے بنانے سے ملول ہوں۔ مگر نوح خداوند کی نظر میں مقبول ہوا"۔ (پیدائش۔۶:۵۔۸)

جبکہ قرآن حکیم میں یہ واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ طوفانِ نوح سے پوری دنیا نہیں بلکہ صرف قوم نوحؑ تباہ ہوئی۔ جس طرح حضرت ہودؑ کو قوم ہود کی طرف (ہود:۵۰)، حضرت صالحؑ کو ثمود کی طرف (ہود:۶۱) اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل دیگر انبیائے کرام کو ان کی قوموں کی طرف مبعوث کیا گیا تھا، حضرت نوحؑ کو بھی ان کی قوم کی طرف بھیجا گیا تھا اور دعوت حق کو قبول نہ کرنے پر ان کی قوم ہی طوفان سے ہلاک ہوئی تھی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖۤ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۝ (ہود۔۲۵۔۲۶)

"اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ میں تم کو واضح طور پر ڈرانے والا ہوں، کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تم پر ایک دردناک دن کے عذاب کا ڈر ہے"۔

طوفانِ نوحؑ سے ہلاک ہونے والے لوگ بھی وہی تھے جنہوں نے حضرت نوحؑ کی دعوت حق کو مسترد کیا تھا۔ متعلقہ آیات اس حقیقت کو متعدد مقامات پر واضح کرتی ہیں:

فَكَذَّبُوهُ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ۝ (الاعراف۔ ۶۴)

''پھر بھی ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے بچا لیا۔ اور ہم نے ان لوگوں کو جو ہماری آیتیں جھٹلاتے تھے غرق کر دیا۔ بے شک وہ ایک اندھی قوم تھی''۔

فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝ (الاعراف۔ ۷۲)

''پھر ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے بچا لیا اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور مومن نہ تھے ہم نے ان کی جڑ کاٹ ڈالی''۔

مزید برآں، قرآن حکیم نے اس الوہی اصول کو بھی بیان کیا ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک تباہ نہیں کی جاتی جب تک ان میں اللہ کا نبی مبعوث نہ ہو جائے۔ کسی قوم کو تباہی سے اس وقت ہی دوچار کیا جاتا ہے جب ان میں اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا آجائے اور وہ قوم اس کی دعوت کو رد کر دے۔ سورۃ القصص میں ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ۝ (القصص۔ ۵۹)

''اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک کہ ان کی بڑی بستی میں کسی نبی کو نہ بھیج لے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور جب تک ان کے رہنے والے ظالم نہ ہوں ہم ان بستیوں کو غارت نہیں کرتے''۔

ایک ایسی قوم جس میں کوئی نبی نہ مبعوث ہوا ہو اسے تباہ کرنا اللہ کی سنت نہیں ہے۔ سو طوفانِ نوحؑ سے کوئی ایسی بستی تباہ نہیں کی گئی جس کی طرف اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا نہ آیا تھا سوائے قوم نوحؑ کے۔

قرآنِ حکیم کی ان آیات سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ طوفانِ نوحؑ عالمگیر نہ تھا بلکہ ایک مخصوص علاقے تک محدود تھا۔ سیلاب کے ممکنہ علاقے میں ہونے والی آثارِ قدیمہ کی کھدائیوں سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ طوفان عالمی نوعیت کا نہ تھا بلکہ یہ ایک ایسا عظیم طوفان تھا جس سے وادی دجلہ و فرات کا ایک خاص حصہ ہی متاثر ہوا تھا۔

کیا سب جانور کشتی پر سوار کیے گئے؟

انجیل کے شارحین کا خیال ہے کہ نوحؑ نے زمین کے تمام جانوروں کی انواع کو کشتی پر سوار کیا اور یہ انہی کے اقدام کا نتیجہ ہے کہ باوجود طوفان کے جانور زمین سے معدوم نہیں ہوئے۔ اس عقیدے کے مطابق زمین پر رہنے والے ہر جانور کا ایک جوڑا کشتی پر سوار کیا گیا۔

جو لوگ اس عقیدے کو شک و شبے سے بالاتر قرار دیتے ہیں، انہیں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ کہ اتنی بڑی تعداد میں لائے گئے جانوروں کو کس طرح کشتی میں رکھا گیا؟ ان کی خوراک کا کیا انتظام کیا گیا؟ اور یہ کہ انہیں ایک دوسرے سے الگ الگ کس طرح رکھا گیا؟ ان سب سوالات کا جواب تلاش کرنا اور محال ہے۔ اور پھر یہ کہ مختلف براعظموں میں رہنے والے جانوروں کو کس طرح اکٹھا کیا گیا؟ کیونکہ ممالیہ قطب پر، کینگرو آسٹریلیا میں اور جنگلی بھینسے امریکہ میں ہی پائے جاتے ہیں۔ مزید مشکل سوال یہ ہے کہ سانپ، بچھو اور دوسرے جنگلی و زہریلے جانوروں کو کس طرح پکڑا گیا اور سیلاب ختم ہونے تک انہیں ان کے قدرتی ماحول سے دور کس طرح رکھا گیا؟

عہد نامہ عتیق کی تفصیلات پر یہ سوالات وارد ہوتے ہیں جبکہ قرآن حکیم میں ایسا کوئی بیان موجود نہیں کہ روئے زمین کے تمام جانوروں کو طوفان سے پہلے کشتی پر سوار کیا گیا تھا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے یہ طوفان زمین کے ایک خاص علاقے میں آیا تھا۔ سو کشتی پر سوار کیے گئے جانور صرف وہی ہوں گے جو

طوفان سے متاثر ہونے والے علاقے میں پائے جاتے تھے۔

تاہم یہ امر بالکل واضح ہے کہ اس علاقے میں موجود جانوروں کی تمام اقسام کو کشتی پر اکٹھا کر لینا ایک امر محال ہے۔ حضرت نوحؑ اور ان پر ایمان لانے والے چند افراد کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے ارد گرد ماحول میں موجود تمام جانوروں کو تلاش کر کے انہیں اکٹھا کرتے (سورہ ہود: ۴۰) مزید یہ کہ ان کے لیے اس علاقے میں موجود حشرات کی جملہ اقسام کو اکٹھا کرنا اور پھر ان کے نر اور مادہ کی تمیز کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ سو گمان غالب یہی ہے کہ کشتی نوحؑ میں صرف وہی جانور اکٹھے کیے گئے جن کا پکڑنا آسان اور جو پالتو اور انسان کے لیے مفید جانور تھے۔ حضرت نوحؑ نے یقیناً کشتی پر جو جانور سوار کیے ان میں گائے، بھیڑیں، گھوڑے، اونٹ اور اس طرح کے وہ جانور شامل تھے جو طوفان کے بعد نئی زندگی کے آغاز کے لیے ضروری تھے کیونکہ سیلاب کی وجہ سے مویشیوں کا بڑا حصہ تباہی کی نذر ہو چکا تھا۔

یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ حضرت نوحؑ کو اللہ کی طرف سے کشتی پر جانوروں کو سوار کرنے کے حکم کی حکمت یہ تھی کہ طوفان کے بعد یہ جانور زندگی کے از سر نو آغاز میں کام آسکیں نہ یہ کہ ان کی نسل محفوظ رہے۔ چونکہ طوفان عالمی نہیں علاقائی تھا، سو ان جانوروں کی نسل ختم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ممکن تھا کہ طوفان کے بعد دوسرے علاقے سے جانور ہجرت کر کے اس علاقے میں آجاتے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہاں پھر سے پہلے کی طرح آباد ہو جاتے۔ بنیادی مسئلہ طوفان کے بعد اس علاقے میں نئی زندگی کے آغاز کا تھا اور حضرت نوحؑ کے اکٹھے کیے گئے جانوروں کا بنیادی مقصد بھی یہی تھا۔

طوفانِ نوحؑ کی بلندی کتنی تھی؟

طوفانِ نوحؑ سے متعلق بارے بحث کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ کیا پانی پہاڑوں سے بھی بلند ہو گیا تھا؟ قرآن حکیم کے مطابق طوفان کے بعد کشتی نوحؑ "الجودی" پر آکر رک گئی۔ عموماً "جودی" سے مراد ایک مخصوص پہاڑی لی جاتی ہے۔ جبکہ عربی زبان میں "جودی" بلند جگہ یا پہاڑی کو کہتے ہیں۔ سو اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ قرآن حکیم نے "جودی" سے کوئی مخصوص پہاڑ نہیں لیا بلکہ اس طرف اشارہ کیا ہے کہ طوفان کے بعد کشتی ایک بلند جگہ پر آکر رک گئی۔ اس کے علاوہ لفظ جودی کے معانی سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ طوفان کا پانی ایک مخصوص سطح تک بلند ہو کر رک گیا تھا اور پہاڑوں سے بلند نہ ہوا تھا۔ یعنی عہد نامہء عتیق کے اس بیان کہ سیلاب ساری زمین پر آیا تھا کے برعکس یہ طوفان زمین کے ایک مخصوص علاقے میں ہی آیا تھا۔

طوفانِ نوحؑ کا مقام:

وادیٔ دجلہ و فرات (Mesopotamia) کے میدان طوفانِ نوحؑ کا مقام بیان کیے گئے ہیں۔ تاریخ کی قدیم ترین معلوم تہذیبیں اس علاقے میں تھیں۔ دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے یہ جگہ کسی بھی بڑے طوفان کے لیے موزوں جگہ ہو سکتی ہے۔ سیلاب کے حوالے سے اس وادی میں موجود ایک بڑا معاون سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں دریا طغیانی میں اپنے کناروں سے ابل پڑے ہوں اور پورا علاقہ زیر آب آگیا ہو۔

اس علاقے کو سیلاب کا مقام قرار دینے کی دوسری وجہ تاریخی ہے۔ اس علاقے کی کئی تہذیبوں کے تاریخی ریکارڈ سے کئی ایسے شواہد ملے ہیں کہ اسی دور میں یہاں سیلاب آیا تھا۔ قومِ نوحؑ کی تباہی دیکھ کر، اس علاقے کی دیگر اقوام نے اس عظیم تباہی اور اس کے اثرات کو محفوظ کرنے کا خیال کیا ہو گا۔ یہ امر مشہور ہے کہ طوفان کے بارے میں اکثر داستانیں وادیٔ دجلہ و فرات میں ہی پروان چڑھیں۔ ہمارے لیے سب سے زیادہ اہم آثارِ قدیمہ کی دریافتیں ہیں۔ ان سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ ضرور اس علاقے میں بڑا طوفان آیا۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر اس کی وضاحت کریں گے، اس طوفان کے نتیجے میں ایک عرصے تک یہاں زندگی معطل رہی۔ اس علاقے کی کھدائیوں کے نتیجے میں ایک بڑی تباہی کے کئی آثار کا انکشاف بھی ہوا ہے۔

وادیٔ دجلہ و فرات میں ہونے والی کھدائیوں سے اس امر کا انکشاف ہوا ہے کہ یہ علاقہ تاریخ میں بارہا دجلہ اور فرات کی طغیانیوں کے سبب سیلاب کی نذر ہوتا

رہا ہے۔ مثلاً وادیٔ دجلہ وفرات کے جنوب میں ایک بڑی قوم اُر(Ur) کے حکمران ابی سین(Ibbi-Sin) کے دور میں دو ہزار قبل مسیح کے قریب ایک سال کو آسمان وزمین کے مابین حدود وآفاق کو غرقاب کردینے والے سیلاب کے بعد کے سال کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اسی طرح ۱۷۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ ، بابل کے حمورابی(Hammurabi) کے دور کے ایک سال کو ایشنونا(Eshnuna) شہر کی طوفان سے تباہی کے سال کے طور پر جانا جاتا ہے۔

دسویں صدی ق م میں نبو مکن اپپال(Nabu-mukin-apal) کے دور حکومت میں بابل شہر میں ایک بڑا طوفان آیا۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد ساتویں، آٹھویں، دسویں، گیارہویں اور بارہویں صدی میں بھی اس علاقے میں بڑے طوفان آئے۔ بیسویں صدی میں بھی ۱۹۲۵، ۱۹۳۰ اور پھر ۱۹۵۴ء میں یہاں طوفان آئے۔ تاریخ کے ان واقعات سے یہ واضح ہے کہ یہ وادی اکثر وبیشتر طوفانوں کی زد میں رہی اور جیسا کہ قرآن حکیم نے بیان کیا ہے، عین ممکن ہے کہ کسی بڑے طوفان کے سبب سے یہ پوری وادی تباہی سے بھی دوچار ہوئی ہو۔

آثارِ قدیمہ اور طوفانِ نوحؑ

یہ کوئی اتفاقی امر نہیں کہ قرآن حکیم میں مذکور تباہی سے دوچار ہونے والی سابقہ اقوام کے آثار دورِ حاضر کی تحقیقات کے نتیجے میں دریافت ہو رہے ہیں۔ آثارِ قدیمہ کے شواہد اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ جو قوم جتنی اچانک تباہی سے دوچار ہوئی اُس کے آثار بھی اتنے ہی زیادہ مکمل طور پر محفوظ ہو گئے۔

جب بھی کوئی تہذیب قدرتی آفات، ہنگامی نقل مکانی یا جنگ کے باعث اچانک تباہ ہوئی اُس کے آثار بہتر طور پر محفوظ ہو گئے۔ ایسی تہذیبوں کے لوگوں کے گھر اور زیرِ استعمال رہنے والی اشیاء مٹی میں دب کر مختصر وقت میں اپنی اصل صورت میں محفوظ ہو گئیں۔ اس طرح یہ آثار انسانی رسائی سے دور ہونے کے سبب طویل عرصے تک محفوظ رہے اور جب بھی ان کا انکشاف ہوا یہ ماضی کے حوالے معلومات کا بیش بہا ذخیرہ ثابت ہوئے۔

عصر حاضر میں بھی طوفانِ نوحؑ کے حوالے سے بہت سے آثار دریافت ہوئے ہیں۔ تین ہزار قبل مسیح میں آنے والے اس طوفانِ عظیم نے آناً فاناً ایک تہذیب کو صفحۂ ہستی سے کلیتاً مٹا دیا اور وہاں ایک بالکل نئی تہذیب ظہور پذیر ہوئی۔ طوفانِ نوحؑ کے آثار ہزارہا برس تک محفوظ رہے تاکہ یہ بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے سامانِ عبرت ہو۔

وادیٔ دجلہ وفرات(Mesopotamia) میں آنے والے اس طوفان کی تحقیق کے لئے یہاں کئی کھدائیاں کی گئیں۔ اس علاقے میں ہونے والی کھدائیوں کے نتیجے میں یہاں کے چار شہروں میں طوفانِ نوحؑ کے آثار دریافت ہوئے ہیں۔ وادیٔ دجلہ وفرات کے یہ چار شہر اُر(Ur)، ایرک (Erech)، کش(Kish) اور شروپک(Shuruppak) ہیں۔

ان شہروں میں ہونے والی کھدائیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر تین ہزار سال قبل مسیح کے لگ بھگ طوفان کی زد میں آئے تھے۔ سب سے پہلے ہم شہر اُر (Ur) میں ہونے والی کھدائیوں کا جائزہ لیتے ہیں:

کسی بھی تہذیب کے قدیم ترین آثار شہر اُر(Ur) کی کھدائیوں سے سامنے آئے ہیں جو سات ہزار قبل مسیح پرانے ہیں۔ انہیں اب "تل المقیر" (Tell al Muqqayar) کا نام دیا گیا ہے۔ ایک بہت ہی ابتدائی تہذیب کا مرکز ہوتے ہوئے اُر(Ur) ایک ایسا شہر تھا جہاں یکے بعد دیگرے کئی تہذیبیں فروغ پذیر رہیں۔

اُر شہر کے آثار قدیمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں ایک بڑے طوفان کے بعد زندگی معطل ہو گئی تھی اور بعد ازاں ایک نئی تہذیب نے جنم لیا۔ ہال نے (R.H.Hall) جس کا تعلق برٹش میوزیم سے تھا، یہاں پہلی کھدائی کی۔ ہال کے بعد ان کھدائیوں کو جاری رکھنے والے لیونارڈ وولی (Leonard Wulley) نے برٹش میوزیم اور پنسلوانیا یونیورسٹی کی اجتماعی کاوشوں سے ہونے والی کھدائیوں کی نگرانی کی۔ دنیا بھر میں تہلکہ مچا دینے والی یہ کھدائیاں ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۴ء تک جاری رہیں۔

سر وولی(Wolley Sir) نے بغداد اور خلیج فارس کے درمیانی صحرا میں کھدائیاں کیں۔ اُر شہر کے بانی لوگ وادیٔ دجلہ و فرات کے شمال سے آئے تھے اور خود کو ''عبیدی'' کہتے تھے۔ کھدائیوں کا اصل مقصد انہی لوگوں کے متعلق معلومات حاصل کرنا تھا۔ جرمن ماہر آثارِ قدیمہ ورنر کیلر(Werner Keller)نے وولی کی کھدائیوں کی تفصیل یوں بیان کی ہے:

''شاہانِ اُر کی قبریں''۔۔۔وولی ان قبروں کی دریافت پر بہت پر جوش تھا۔ اس نے سمیری امراء کی ان قبروں پر نشانات لگادیئے جن کی اصل شاہانہ شان اس وقت سامنے آئی جب ایک عبادت گاہ کے جنوب میں ۵۰ فٹ بلند ٹیلے کی کھدائی کی گئی جہاں ان قبروں کی لمبی قطار واقع تھی۔ پتھروں سے بنے ہوئے یہ تہہ خانے حقیقی معنوں میں ایک خزانہ تھے۔ یہ تہہ خانے قیمتی ساغروں، حیران کن شکل وصورت کی صراحیوں اور گلدانوں، کاشی کے برتنوں، موتی و نگینوں کے کام والے سامان اور مٹی کے بنے ہوئے چاندی کی تہہ چڑھے برتنوں سے بھرے ہوئے تھے۔ بربط اور سارنگیاں دیواروں کے ساتھ رکھی ہوئی تھیں۔

وولی نے بعد میں اپنی ڈائری میں لکھا: ''یہ سب کچھ اچانک ہوا تھا۔ اور بعد میں ہونے والی دریافتوں نے ہمارے شک کی تصدیق کر دی۔ ایک بادشاہ کے مقبرے کے فرش کے نیچے ہمیں جلی ہوئی لکڑی کی راکھ کی تہہ میں رکھی مٹی کی کئی الواح ملیں جن پر قبروں کی تحریر سے بھی پرانی طرز کی تحریر لکھی ہوئی تھی۔ اس تحریر سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ الواح ۳۰۰۰ ق م کی ہیں یعنی یہ مقبروں سے بھی دو، تین صدیاں پرانی تھیں''۔

جب مزید کھدائی کی گئی تو مٹی کی نئی تہہ سامنے آئی جس میں گھریلو استعمال کے برتنوں کے ٹکڑے بکثرت موجود تھے۔ ماہرین کے مطابق یہاں برتن ایک طویل عرصے تک ایک ہی طرز کے رہے۔ یہ برتن بالکل اسی طرح کے تھے جو بادشاہوں کی قبروں سے ملے تھے۔ گویا صدیوں تک سمیری تہذیب میں کوئی بڑی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ یعنی بہت جلد ہی انہوں نے تہذیب کی حیران کن بلندیوں کو چھو لیا تھا۔

جب کئی دن کی کھدائی کے بعد وولی کے کارکنوں نے اسے بتایا کہ وہ سب سے نچلی تہہ تک پہنچ چکے ہیں تو وہ اس زمینی تہہ کو دیکھنے کے لیے خود وہاں اترا۔ دیکھتے ہی وولی بھی اسے آخری تہہ سمجھا۔ یہ ریت کی تہہ تھی جو پانی کے کسی بڑے ریلے سے ہی جمع ہو سکتی تھی۔ انہوں نے مزید کھدائی کرنے کا فیصلہ کیا۔ چھ فٹ نیچے تک خالص مٹی ہی تھی مگر جب وہ دس فٹ گہرائی تک پہنچے تو مٹی کی تہہ اسی طرح اچانک ختم ہوگئی جس طرح وہ شروع ہوئی تھی۔ یہاں انہیں انسانی بود و باش کے آثار نظر آئے۔ اس جگہ ملنے والے برتن اور استعمال کی دوسری اشیاء بہت سادہ اور ہاتھوں سے بنی ہوئی تھیں۔ یہاں دھات سے بنی کوئی چیز نہیں ملی۔ وہ اوزار جو یہاں ملے پتھر کے بنے ہوئے تھے۔ گویا اس تہذیب کا تعلق پتھر کے زمانے سے تھا۔

اُر کی اس پہاڑی کے نیچے موجود اس مٹی کی تہہ کا سبب سیلاب ہی ہو سکتا تھا، جس نے دو مختلف ادوار کی انسانی تہذیبوں کو الگ الگ کر دیا تھا۔ سیلاب کے آنے والے پانی نے مٹی میں محفوظ مختلف آبی جانوروں کے آثار کی صورت میں اپنے مستقل اور واضح نشانات چھوڑ دیئے تھے۔

خوردبینی تجزیے سے بھی یہ ثابت ہوگیا کہ اُر کی پہاڑی کے نیچے مٹی کی یہ تہہ سیلاب ہی کا نتیجہ تھی جس نے قدیم سمیری تہذیب کو نیست و نابود کر دیا تھا۔ وادی دجلہ و فرات کی صحرا کے نیچے موجود اس تہہ میں گلگامش کے رزمیے اور نوح کی داستان کی تفصیلات یکجا ہوگئی تھی۔

لیونارڈ وولی(Leonard Woolley) کے ان خیالات کو میکس میلون(Max Mallowon) نے بھی بیان کیا کہ سیلاب سے آنے والی مٹی کی یکدم بننے والی یہ تہہ کسی بڑے اور خوفناک طوفان سے ہی وجود میں آسکتی ہے۔ وولی نے بھی اس سیلابی مٹی کی تہہ کا تذکرہ کیا جس نے سمیری تہذیب کے شہر اُر اور العبید کے شہر کو الگ الگ کر دیا تھا جس کے باشندے، سیلاب کے آثار کے مطابق، رنگین برتن استعمال کرتے تھے۔

یہ شواہد بتاتے ہیں کہ سیلاب سے اُر شہر بھی متاثر ہوا تھا۔ ورنر کیلر(Werner Keller) نے بھی ان کھدائیوں کی اہمیت کا اعتراف کیا اور کہا کہ مٹی کی اس تہہ میں موجود آبادی کے آثار بتاتے ہیں کہ یہاں ایک عظیم سیلاب آیا تھا۔

سیلاب سے متاثر ہونے والا وادی دجلہ و فرات کا دوسرا بڑا شہر سمیریوں کا شہر کش تھا، جسے آج کل 'تل الحیمر' کہتے ہیں۔ قدیم سمیری ماخذوں کے مطابق یہ

شہر کئی حکمران خاندانوں کا جائے قیام تھا۔ وادی دجلہ وفرات کے جنوب میں واقع شہر شروپک جسے اب تل فرح کہتے ہیں، بھی سیلاب سے متاثر ہوا۔ اس علاقے میں ۰۲۹۱ سے ۰۳۹۱ کے درمیان پنسلوانیا یونیورسٹی کے Frich Schmidt کی سربراہی میں تحقیقات کی گئیں۔ اس علاقے میں ہونے والی کھدائیوں سے انسانی آبادی کے تین ادوار کا سراغ ملا جن کا تعلق قبل تاریخ زمانہ کے آخری دور سے اُر کے تیسرے حکمران خاندان کے دور (۴۰۰۲۔۲۱۱۲ ق م) تک سے ہے۔ یہاں سے ملنے والے آثار میں نمایاں ترین اعلیٰ طرز پر تعمیر کردہ گھر اور لوہے کی وہ تختیاں ہیں جن پر انتظامی نوعیت کے الفاظ کا ریکارڈ ہے جو چار ہزار سال قبل مسیح کے ایک اعلیٰ ترقی یافتہ معاشرے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

ان دریافتوں سے سامنے آنے والا اہم نکتہ یہ ہے کہ اس شہر میں ۰۰۹۲۔۳۰۰۰ ق م میں خوفناک سیلاب آیا۔ Mallawon میلون کی بیان کردہ تفصیلات کے مطابق Schmidt ۴ سے ۵ میٹر گہرائی کے بعد زرد مٹی کی تہہ تک پہنچا جو (سیلاب کے نتیجے میں) مٹی اور ریت سے وجود میں آئی۔ مٹی کی یہ تہہ ہموار زمین میں ٹیلوں کی نسبت کم گہرائی پر واقع ہے۔ Schmidt نے اسے مٹی اور ریت کا آمیزہ قرار دیا جو حکمران نصر کی قدیم بادشاہت کے وقت سے موجود تھی اور دریا میں پائی جانے والی ریت سے مشابہ جو یہاں طوفان نوح سے ہی آئی۔

شروپک شہر میں ہونے والی کھدائیوں سے بھی ۰۰۹۲۔۳۰۰۰ ق م کے دوران میں آنے والے سیلاب کے آثار ملے۔ غالباً یہ شہر بھی دوسرے شہروں کی طرح طوفان نوحؑ سے شدید متاثر ہوا تھا۔

سیلاب سے متاثرہ حالیہ دریافت شدہ شہر ایرک ہے جو شروپک کے جنوب میں واقع ہے اور اب تل الورقہ کہلاتا ہے۔ دوسرے شہروں کی طرح یہاں بھی سیلاب کی مٹی کی تہہ موجود ہے جس کا تعلق دوسرے شہروں کی طرح ۰۰۹۲۔۳۰۰۰ ق م کے دور سے ہے۔

دریائے دجلہ اور فرات اپنی وادی کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک قطع کرتے ہیں۔ آثار سے ایسے لگتا ہے کہ دورانِ طوفان یہ دونوں دریا اور پانی کے دوسرے تمام چھوٹے بڑے ذرائع ابل پڑے اور شدید بارشوں کی موجودگی میں ایک عظیم طوفان میں بدل گئے۔ قرآن حکیم کے مطابق:

فَفَتَحۡنَآ اَبۡوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنۡهَمِرٍ ۝ وَّفَجَّرۡنَا الۡاَرۡضَ عُيُوۡنًا فَالۡتَقَى الۡمَآءُ عَلٰٓى اَمۡرٍ قَدۡ قُدِرَ ۝ (القمر۔۱۱۔۲۱)

"پھر ہم نے موسلادھار بارش سے آسمان کے دہانے کھول دیے۔

اور زمین سے پانی کے چشمے بہا دیئے پھر سب پانی ایک ہی کام کے لیے جو مقرر ہو چکا تھا جمع ہو گیا"۔

اگر ہم سیلاب کے اسباب کا یکے بعد دیگرے جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سیلاب بالکل ایک قدرتی عمل تھا۔ اس سیلاب کا معجزانہ پہلو تمام اسباب کا ایک ہی وقت میں اکٹھا ہو جانا اور حضرت نوحؑ کا اپنی قوم کو قبل از وقت مطلع کر دینا ہے۔

تحقیقات سے سامنے آنے والی معلومات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیلاب سے متاثرہ علاقہ شرقاً غرباً تقریباً ۱۶۰ کلومیٹر (چوڑائی میں) اور شمالاً جنوباً ۶۰۰ کلومیٹر (لمبائی میں) پھیلا ہوا ہے۔ گویا سیلاب نے پوری وادی دجلہ وفرات کو اپنی زد میں لے لیا۔ سیلاب سے متاثر ہونے والے شہر یعنی اُر، ایرک، شروپک اور کش بھی ایک ہی قطار میں واقع ہیں۔ اس وجہ سے ان چار شہروں کی آبادی اور ان کے مضافات سیلاب سے متاثر ہوئے۔ مزید یہ کہ ۳۰۰۰ ق م میں اس علاقے کی جغرافیائی ساخت بھی آج سے بالکل مختلف تھی۔ اس دور میں فرات کی تہہ آج کی نسبت مشرق کی طرف زیادہ تھی۔ اس طرح یہ اُر، ایرک، شروپک اور کش سے گزرتا تھا۔ اس طرح جب "آسمان اور زمین کے پانی کے چشمے ابل پڑے" تو فرات اپنے کناروں سے باہر بہہ نکلا اور چاروں شہر تباہ و برباد ہو گئے۔

سیلاب کا تذکرہ کرنے والے مذاہب اور اقوام

وہ تمام اقوام جہاں انبیاء کرام علیہم السلام پیغام حق لے کر آئے اس سیلاب سے آگاہ تھیں۔ تاہم یہ واقعہ اپنی اصل یا بدلی ہوئی شکل میں ان اقوام کی مقامی داستانوں کا حصہ بھی بن گیا۔

اللہ تعالیٰ نے طوفانِ نوح کی خبر اپنے انبیاء اور کتب کے ذریعے مختلف اقوام تک پہنچائی تاکہ یہ ان کے لیے نصیحت اور عبرت کا سامان ہو۔ تاہم ہر دور میں کتب سماوی میں تحریف کی گئی اور طوفانِ نوح کی تفصیلات میں دیومالائی عناصر در آئے۔ صرف قرآن حکیم ہی وہ واحد سماوی کتاب ہے جس کی تفصیلات کی جدید تحقیقات بھی تصدیق کرتی ہیں کیونکہ قرآن حکیم کو ہر طرح کے تغیر و تبدل اور تحریف سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے اور قرآن ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ O (الحجر۔۹)

"بے شک ہم نے ہی اس کتاب کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔

اب ہم اس امر کا جائزہ لیں گے کہ طوفانِ نوح کا تذکرہ۔۔۔ گو محرف شکل میں۔۔۔ عہد نامہ قدیم و جدید اور مختلف اقوام کی روایات میں کس طرح کیا گیا ہے۔

عہد نامہ قدیم میں طوفانِ نوح کا تذکرہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی گئی۔ آج اصل نازل ہونے والی تورات سے کچھ بھی موجود نہیں اور موجودہ "صحفِ خمسہ" کا اصل وحی کردہ تورات سے کوئی تعلق نہیں۔ یہودی علماء نے اس کے متن کو بھی تحریف کا نشانہ بنائے رکھا۔ بنی اسرائیل کے دوسرے انبیاء پر نازل ہونے والی کتب بھی اسی طرح تغیر و تبدل کا شکار ہوئیں اسی لیے ہم مجبور ہیں کہ ان صحف کو ہم 'محرف صحفِ موسوی' کا نام دیں جو اصل وحی کے مضمون کو بیان کرنے کی بجائے مختلف قبیلوں کے حالات اور تاریخ پر مشتمل ہیں۔ تاہم یہ امر باعث حیرت ہے کہ ان تبدیلیوں کے باوجود تورات کا موجودہ متن طوفانِ نوح کو بیان کرتا ہے اور اس کی کئی جزئیات قرآن حکیم کے بیان سے بھی قدرے مشابہت رکھتی ہیں۔

عہد نامہ قدیم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو مطلع کیا کہ چونکہ زمین گناہ سے بھر گئی ہے سو اہل ایمان کے سوا سب کو ہلاک کیا جائے گا۔ اس نے حضرت نوح کو کشتی بنانے کا حکم دیا اور انہیں اپنی بیوی، تینوں بیٹوں، ان کی بیویوں اور ہر زندہ چیز کے جوڑوں کو کشتی پر سوار کر لینے کا کہا۔

سات دن کے بعد جب سیلاب کا وقت آیا تو زیرِ زمین پانی کے سارے چشمے ابل پڑے اور آسمان سے بھی پانی برسنے لگا اور ایک عظیم سیلاب نے ہر شے کو گھیر لیا۔ یہ سیلاب چالیس دن رات جاری رہا۔ حضرت نوح کی کشتی پانی پر تیرتی رہی۔ اس طرح کشتی کے سوار ہی محفوظ رہے جبکہ ان کے علاوہ ہر ذی روح سیلاب کی نذر ہو گیا۔ سیلاب کے بعد ہی بارش تھمی اور اس کے ۱۵۰ دن بعد سیلاب کا پانی کم ہوا۔

ساتویں ماہ کے سترھویں دن کشتی پہاڑی پر آکر رکی۔ حضرت نوح نے ایک فاختہ کو بھیجا تاکہ پانی کے اترنے کی اطلاع ملے۔ جب فاختہ واپس نہ آئی تو آپ نے سمجھا کہ پانی اتر گیا ہے اب اللہ نے انہیں کشتی سے اتر کر زمین میں پھیل جانے کا حکم دیا۔ عہد نامہ قدیم کا یہ بیان کئی طرح کے تضادات کا حامل ہے مثلاً اس کے ایک متن میں حضرت نوح اپنے ساتھ صرف سات جانوروں کے جوڑے لے کر گئے تھے۔ اسی طرح سیلاب کی مدت بھی مختلف بیان کی گئی ہے۔ کہیں یہ مدت ۴۰ روز اور کہیں ۱۵۰ دن بیان کی گئی ہے۔ عہد نامہ قدیم میں مختلف مقامات پر طوفانِ نوح کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے:

"اور خدا نے نوح سے کہا کہ تمام بشر کا خاتمہ میرے سامنے آپہنچا ہے کیونکہ ان کے سبب سے زمین ظلم سے بھر گئی ہے۔ سو دیکھ میں زمین سمیت ان کو ہلاک کروں گا۔

تو گوپھر کی لکڑی کی ایک کشتی اپنے لیے بنا۔ اس کشتی میں کوٹھڑیاں تیار کرنا اور اس کے اندر اور باہر رال لگانا۔

اور ایسا کرنا کہ کشتی کی لمبائی تین سو ہاتھ، اس کی چوڑائی پچاس ہاتھ اور اس کی اونچائی تیس ہاتھ ہو۔

اور اس کشتی میں ایک روشندان بنانا اور اوپر سے ہاتھ بھر چھوڑ کر اسے ختم کر دینا اور اس کشتی کا دروازہ اس کے پہلو میں رکھنا اور اس میں تین درجے بنانا: نچلا،

دوسرا اور تیسرا۔

اور دیکھ میں خود زمین پر طوفان کا لانے والا ہوں تاکہ ہر شہر کو جس میں زندگی کا دم ہے دنیا سے ہلاک کر ڈالوں اور سب جو زمین میں ہیں مر جائیں گے۔

پر تیرے ساتھ میں اپنا عہد قائم کروں گا اور تو کشتی میں جانا، تو اور تیرے ساتھ تیرے بیٹے اور بیٹوں کی بیویاں۔

اور جانوروں کی ہر قسم میں سے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے لینا تاکہ وہ تیرے ساتھ جیتے بچیں۔ وہ نر و مادہ ہیں۔

اور پرندوں کی ہر قسم میں سے اور چرندوں کی ہر قسم میں سے اور زمین پر رینگنے والے ہر قسم میں سے دو دو تیرے پاس آئیں تاکہ وہ جیتے بچیں۔

اور تو ہر طرح کے کھانے کی چیز لے کر اپنے پاس جمع کر لینا کیونکہ یہی تیرے اور ان کے کھانے کو ہوگا۔

اور نوح نے یوں ہی کیا جیسا خدا نے اسے حکم دیا تھا ویسا ہی عمل کیا"۔

(پیدائش۔۶: ۱۳۔۲۲)

"اور ساتویں مہینے کی سترھویں تاریخ کو کشتی اراراط کے پہاڑوں پر ٹک گئی" ۔

(پیدائش۔۶ :۴۔۸)

"کل پاک جانوروں میں سے سات سات نر اور مادہ لینا اور ان میں سے جو پاک نہیں ہیں دو دو نر اور ان کی مادہ اپنے ساتھ لے لینا۔

اور ہوا کے پرندوں میں سے بھی سات سات نر اور مادہ لینا تاکہ زمین پر ان کی نسل باقی رہے"۔(پیدائش۔۲:۷۔۳)

"اور میں اس عہد کو قائم رکھوں گا کہ سب جاندار طوفان کے پانی سے پھر ہلاک نہ ہوں گے اور نہ کبھی زمین کو تباہ کرنے کے لئے پھر طوفان آئے گا"۔

(پیدائش۔۸:۱۱)

عہد نامہء قدیم کے مطابق کہ "زمین پر موجود ہر ذی روح مر جائے گا " ایک عالمگیر طوفان کے ذریعے سب لوگوں کو سزا دی گئی اور صرف وہی لوگ محفوظ رہے جو حضرت نوح کے ساتھ کشتی پر سوار تھے۔

عہد نامہء جدید میں طوفانِ نوح کا تذکرہ

عہد نامہء جدید بھی کسی طور مبنی بر وحی کتاب نہیں بلکہ یہ حضرت عیسیٰؑ کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس کا آغاز اناجیلِ اربعہ سے ہوتا ہے جو حضرت عیسیٰؑ کے ایک سو سال بعد متّی، مرقس، لوقا اور یوحنّا نے لکھیں جو کبھی بھی حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ نہ رہے تھے۔ ان چاروں انجیلوں میں بھی واضح تضادات ہیں خصوصاً انجیل یوحنا بقیہ تینوں سے کلیۃً مختلف ہے جو کسی نہ کسی حد تک ایک دوسرے سے مماثل ہیں۔ عہد نامہء جدید کی بقیہ کتب مختلف خطوط پر مشتمل ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کے بعد کے رسولوں کے حالات بیان کرتے ہیں۔ سو عہد نامہء جدید کسی طرح بھی الوہی کتاب نہیں بلکہ نیم تاریخی نوعیت کی کتاب قرار دی جا سکتی ہے۔

عہد نامہء جدید میں طوفانِ نوحؑ کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے۔ حضرت نوحؑ کو گمراہ قوم کی طرف پیغامِ ہدایت دے کر بھیجا گیا مگر انہوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کو طوفان سے ہلاک اور اہلِ ایمان کو نوحؑ کے ساتھ کشتی پر سوار کر کے نجات دینے کا فیصلہ کیا۔ عہد نامہء جدید کے اس مضمون کو بیان کرنے کے مختلف مقامات یہ ہیں:

"جیسا نوح کے دنوں میں ہوا ویسا ہی ابن آدم کے آنے کے وقت ہوگا۔

کیونکہ جس طرح طوفان سے پہلے کے دنوں میں لوگ کھاتے پیتے اور بیاہ شادی کرتے تھے اس دن تک کہ نوح کشتی میں داخل ہوا۔

اور جب تک طوفان آکر ان سب کو بہا نہ لے گیا ان کو خبر نہ ہوئی۔ اسی طرح ابن آدم کا آنا ہوگا"۔(متّی۔۲۷: ۳۷۔۳۹)

"اور نہ پہلی دنیا کو چھوڑا بلکہ بے دین دنیا پر طوفان بھیج کر راستبازی کے منادی کرنے والے نوح کو مع اور سات آدمیوں کے بچا لیا"۔(پطرس کا دوسرا خط۔ ۲:۵)

"اور جیسا نوح کے دنوں میں ہوا تھا اسی طرح ابن آدم کے دنوں میں بھی ہوگا۔

کہ لوگ کھاتے پیتے تھے اور ان میں بیاہ شادی ہوتی تھی۔اس دن تک جب نوح کشتی میں داخل ہوا اور طوفان نے سب کو آکر ہلاک کیا"۔(لوقا۔ ۶۲:۸۱۔۷۲)

"جو اس اگلے زمانے میں نافرمانیاں تھیں جب خدا نوح کے وقت میں تحمل کر کے ٹھہرا رہا تھا اور وہ کشتی تیار ہو رہی تھی جس پر سوار ہو کر تھوڑے سے آدمی یعنی آٹھ جانیں پانی کے وسیلہ سے بچیں"۔(پطرس I۔۰۲:۳)

"وہ تو جان بوجھ کر یہ بھول گئے کہ خدا کے کلام کے ذریعے سے آسمان قدیم سے موجود ہیں اور زمین پانی میں سے بنی اور پانی میں قائم ہے۔

انہی کے ذریعہ سے اس زمانہ کی دنیا ڈوب کر ہلاک ہوئی"۔(پطرس II۔۰۲:۳)

دیگر اقوام کے ہاں طوفانِ نوحؑ کا تذکرہ سمیری تہذیب:

ایک دیوتا رانلیل نے لوگوں کو بتایا کہ دوسرے دیوتا انسانیت کو تباہ کرنا چاہتے ہیں مگر وہ خود انہیں بچانا چاہتا تھا۔اس کہانی کا ہیرو سیپر شہر کا مخلص بادشاہ زیو سودرا ہے۔انلیل دیوتا نے زیو سودرا کو نجات کا طریقہ سمجھایا۔گو موجودہ متن میں کشتی کا تذکرہ موجود نہیں مگر زیو سودرا کے نجات کے اسباب میں کشتی کی موجودگی کے اشارات ملتے ہیں۔سیلاب کی بابلی تفصیلات پر انحصار کرتے ہوئے یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ سمیری تفصیلات میں سیلاب کے اسباب اور کشتی بنانے کی جزئیات کا تذکرہ بھی موجود تھا۔

بابل کی تہذیب:

یہاں سمیری ہیرو زیو سودرا کا اہم منصب ہیرو ات نپشتم ہے جبکہ دوسرا نمایاں کردار گلگامش ہے۔متداول داستان کے مطابق گلگامش نے رازِ بقا کی تلاش کا عزم کیا۔اسے اس طرح کے خطرناک سفر کی مشکلات سے آگاہ کیا گیا۔اسے بتایا گیا کہ وہ ایسے سفر پر چل نکلا ہے جس میں اسے خطرناک پہاڑیوں اور مہلک دریاؤں سے گزرنا ہوگا۔اس طرح کا سفر سورج دیوتا "شمش" کی حمایت سے ہی طے ہو سکتا تھا مگر گلگامش استقامت سے ڈٹا رہا اور آخر کار ات نپشتم تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

ان دونوں کی ملاقات کی تفصیل کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ات نپشتم نے گلگامش کو بتایا کہ موت و حیات کے اسرار دیوتا اپنے پاس رکھتے ہیں اور کسی کو ان سے مطلع نہیں کرتے۔اس پر گلگامش نے اس سے پوچھا کہ اس نے کس طرح بقا حاصل کی۔جس کے جواب میں اس نے گلگامش کو داستانِ طوفان سنائی۔اس طوفان کا تذکرہ گلگامش کے رزمیے کی مشہور بارہ الواح میں بھی ملتا ہے۔

ات نپشتم نے گلگامش کو بتایا کہ یہ دیوتاؤں کا ایک راز ہے۔اس نے بتایا کہ اس کا تعلق عکاد کی سرزمین کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک شہر شروپک سے ہے۔اس تفصیل کے مطابق دیوتا "اے" (Ea) نے اپنی جھونپڑی سے اسے مخاطب کرتے ہوئے بتایا کہ سارے دیوتا زمین سے زندگی کے ہر نشان کو مٹانے کا فیصلہ کر چکے ہیں مگر اس تباہی کا سبب نہیں بتایا گیا۔"اے" (Ea) دیوتا نے اسے ایک کشتی بنانے کا کہا جس میں اس نے تمام زندہ اشیاء کے بیجوں کو محفوظ کرنا تھا۔دیوتا نے اسے کشتی کی شکل اور حجم بھی بتایا۔اس کشتی کی لمبائی، چوڑائی اور اونچائی باہم برابر تھی۔جب طوفان آیا اس نے چھ دن رات میں سب کچھ الٹ دیا۔ساتویں دن طوفان اتر گیا۔ات نپشتم نے باہر دیکھا کہ ہر طرف کیچڑ بکھرا پڑا ہے۔کشتی کوہِ نسیر پر آکر رک گئی۔

سمیری اور بابل کی تاریخ کے مطابق زری شہر و زیا خسیترہ ایک ۵۲۹ میٹر لمبی کشتی کے ذریعے اس طوفان سے بچ سکا اس کے ساتھ اس کا خاندان، دوست، کچھ

پرندے اور جانور بھی تھے۔ اس طوفان میں آسمانوں سے بے پناہ پانی برسا، سمندر اور دریا کثرت آب کی وجہ سے اپنے کناروں سے باہر نکل گئے اور آخر کار کشتی کوہ کوریڈا پر آکر رکی۔

اسیری۔ بابل تاریخ کے مطابق عبر تو تو یا خسیترہ مع اپنے خاندان، خدام، پرندوں اور جانوروں کے بچ سکا۔ اس کی کشتی ۶۰۰ ہاتھ لمبی اور ۶۰ ہاتھ بلند اور چوڑی تھی۔ سیلاب ۶ دن رات تک جاری رہا۔ جب کشتی کوہِ نذار پر پہنچ گئی تو کشتی سے چھوڑی گئی فاختہ واپس آگئی مگر کوّا واپس نہ آیا۔

سمیری، اسیری اور بابل کی تاریخ کے بعض مندرجات کے مطابق ۶ دن رات تک جاری رہنے والے اس طوفان میں صرف ات نپشتم اور اس کا خاندان ہی محفوظ رہے۔ جب ساتویں دن اس نے باہر دیکھا تو طوفان ختم ہو چکا تھا اور ہر طرف مٹی اور کیچڑ بکھرا تھا۔ جب کشتی کوہِ نذار پر آکر رکی تو اس نے ایک کبوتر، ایک کوّا اور ایک چڑا باہر بھیجے۔ کوّا تو لاشوں کو نوچنے لگا جبکہ دوسرے دو پرندے پرواز کر گئے اور واپس نہ آئے۔

ہند:

ہند کے معروف رزمیوں شتا پتھ، برہمنہ اور مہابھارتیہ کے مطابق منو اور رشتر ہی طوفان سے محفوظ رہے۔ داستان کے مطابق جب منو نے ایک مچھلی کو پکڑنے کے بعد چھوڑ دیا تو وہ یکدم بڑی ہوگئی اور اس نے منو کو طوفان کی اطلاع دی اور اسے کہا کہ وہ ایک کشتی بنائے اور اسے اپنے سینگوں سے باندھ دے۔ یہ مچھلی دیوتا وشنو کا مظہر تھی۔ اس مچھلی نے سیلاب میں کشتی کو سنبھالے رکھا حتیٰ کہ کشتی شمال میں کوہِ ہسموت پر آکر ٹھہر گئی۔

ویلز:

برطانیہ کے کلٹ (Celt) علاقے کی معروف داستان کے مطابق ڈائن ویلز Dwynwen اور ڈائفاش Dwyfach ایک عظیم طوفان میں کشتی پر سوار ہو کر بچ گئے۔ جب لن لیون (Llynllion) جسے موجوں کی جھیل بھی کہتے ہیں، سے اٹھنے والا یہ عظیم طوفان ختم ہوا تو دوائنون اور دوائفک نے برطانیہ کو نئے سرے سے آباد کیا۔

سکینڈے نیویا:

نارڈک ایڈا (Nordic Edda) کی کہانیوں کے مطابق برگالمیر (Bergalmir) اور اس کی بیوی ایک عظیم طوفان میں ایک بڑی کشتی پر بیٹھ کر محفوظ رہے۔

لتھونیا:

لتھونیائی داستانوں کے مطابق کچھ لوگ اور جانور ایک عظیم طوفان میں ایک پہاڑی کی چوٹی پر پناہ گزین ہو کر محفوظ رہے۔ جب طوفان کی لہریں پہاڑ کی چوٹی تک پہنچیں تو خداوند نے ان کی طرف ایک بڑا خول پھینکا جس پر سوار ہو کر وہ اس المناک تباہی سے محفوظ رہے۔

چین:

چین کی داستانوں کے مطابق ایک شخص یاؤ سات دوسرے افراد کے ساتھ یا خالی اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ ایک کشتی پر سوار ہو کر طوفان اور زلزلوں سے محفوظ رہا۔ اس طوفان میں ہر طرف سے پانی ابل پڑا اور زمین تباہ و برباد ہوگئی۔ انجام کار طوفان ختم ہو گیا۔

یونانی دیومالا:

جب لوگ بہت زیادہ بدکار ہو گئے تو زیئس دیوتا نے انہیں ایک طوفان کے ذریعے تباہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ صرف ڈیوکیلئن (Deucalion) اور اس کی بیوی طوفان سے محفوظ رہے کیونکہ انہیں اور ان کے بیٹے کو ایک کشتی تیار کرنے کا کہا گیا تھا۔ وہ دونوں کشتی پر سوار ہونے کے نویں دن کوہِ پرناسوس پر اترے۔
یہ تمام داستانیں ایک واضح تاریخی حقیقت بیان کرتی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہر قوم تک اللہ کا پیغام ہدایت پہنچا۔ اور اس طرح اکثر قومیں طوفانِ نوح سے آگاہ ہو

گئیں مگر جب لوگ وحی سے دور ہوگئے تو طوفانِ نوح کے واقعات نسلاً بعد نسل تغیر و تبدل کا شکار ہوگئے اور اس طرح داستانوں کا روپ دھار گئے۔ قومِ نوح اور طوفانِ نوحؑ کی تفاصیل کو پوری ثقاہت سے بیان کرنے والی واحد کتاب قرآن حکیم ہے۔ قرآن حکیم ہمارے سامنے نہ صرف طوفانِ نوحؑ بلکہ دیگر کئی اقوام کے بارے میں بھی تاریخی واقعات بیان کرتا ہے۔ اگلے ابواب میں ہم قرآن حکیم کے بیان کردہ انہی حقیقی واقعات کا مطالعہ کریں گے۔

باب دوم

حضرت ابراہیمؑ کے حالاتِ زندگی

مَا كَانَ اِبْرَاهِيمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًاؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْاؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران۔۶۷۔۶۸)

"(سنو!) ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے۔ وہ تو (جھوٹے مذہبوں سے بیزار) سیدھی راہ چلنے والے مسلمان تھے۔ اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھے۔ بے شک لوگوں میں ابراہیم کے ساتھ زیادہ نزدیک وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی (محمدؐ) ہیں اور وہ لوگ جو آپ پر ایمان لائے ہیں۔ اور اللہ ایمان والوں کا دوست (حامی و مددگار) ہے"۔

قرآن حکیم میں حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ اکثر مقامات پر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو خصوصی طور پر لوگوں کے لیے بطور مثال (اسوۂ) بیان کیا۔ آپ نے اپنی بت پرست قوم کو اللہ کا پیغام پہنچایا اور انہیں انجام بد سے ڈرایا کہ وہ اللہ سے ڈریں۔ آپ کی قوم نے آپ کے انذار کو سننے کی بجائے آپ کی مخالفت شروع کردی۔ جب آپ کی قوم کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو آپ کو اپنی اہلیہ محترمہ، حضرت لوطؑ اور اپنے چند پیروکاروں کے ساتھ کسی دوسری جگہ ہجرت کرنا پڑی۔

حضرت ابراہیمؑ کا تعلق آلِ نوحؑ سے تھا۔ قرآن حکیم کے مطابق آپ حضرت نوحؑ ہی کی پیروی کررہے تھے۔

سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝ (الصّٰفّٰت۔۷۹۔۸۳)

"سارے جہان والوں میں نوح پر سلام ہو۔ ہم اپنے نیک بندوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ (یعنی نوح) ہمارے ایمان دار بندوں میں سے ہیں۔ پھر ہم نے اوروں کو (جنہوں نے ان کی نافرمانی کی ان کو) غرق کردیا۔ اور ابراہیم انہیں کی پیروی کرنے والوں میں تھے"۔ الصّٰفّٰت

حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں وادی دجلہ و فرات کے میدانوں اور اناطولیہ کے وسط و مشرق میں رہنے والے بہت سے لوگ ستاروں اور اجرامِ فلکی کو پوجتے تھے۔ ان کا سب سے زیادہ اہم دیوتا "چاند دیوتا" تھا۔ اسے لمبی ڈاڑھی والے انسان کی صورت میں تراشا گیا تھا جو ہلال کی شکل والے چاند کا حامل لباس

پہنے ہوئے تھا۔اس کے ساتھ وہ لوگ ان دیوتاؤں کی تصویریں اور مجسمے بناتے جنہیں وہ پوجتے تھے۔ یہ ایک وسیع نظام عقائد وعبادات تھا جو مشرق کے ان ممالک میں پھیلا اور ایک طویل عرصے تک یہاں موجود رہا۔ان علاقوں میں رہنے والے لوگ ان دیوتاؤں کو ۶۰۰ عیسوی تک پوجتے رہے۔اس عقیدے کے زیرِ اثر وادیٔ دجلہ وفرات سے اناطولیہ کے مرکز تک بہت سے معبد، زیگورات (Ziggurats) تعمیر کیے گئے جو عبادت گاہوں کے علاوہ بطور رصد گاہ بھی استعمال ہوتے تھے اور یہاں دیوتاؤں کی خصوصاً چاند دیوتا کی عبادت کی جاتی تھی۔

عقائد وعبادات کا یہ نظام، جس کا انکشاف آج آثارِ قدیمہ کی دریافت پر ہوا، قرآن حکیم میں مذکور ہیں۔قرآن حکیم کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے ان جھوٹے خداؤں کی عبادت کو مسترد کرتے ہوئے ایک اور سچے خدا کی عبادت اختیار کی۔ قرآن حکیم نے حضرت ابراہیمؑ کے طرزِ عمل کو یوں بیان کیا:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّىْۤ اَرٰٮكَ وَقَوْمَكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ وَكَذٰلِكَ نُرِىْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَٮِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۤلِّيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِىْۤءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (الانعام۔ ۷۴۔۷۹)

''اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے بابا آزر سے کہا کیا تم بتوں کو خدا مانتے ہو، میں دیکھتا ہوں کہ تم اور تمہاری قوم کھلی گمراہی میں ہے۔اور اس طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھادیے تاکہ وہ کامل یقین والوں میں سے ہو جائیں۔ پھر جب رات نے ان کو تاریکی میں لے لیا، انہوں نے ایک چمکتا ہوا ستارہ دیکھا۔ کہا کیا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ غائب ہو گیا تو کہا میں غائب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کیا یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ بھی غائب ہو گیا تو بول اٹھے کہ اگر میرا پروردگار مجھے سیدھا راستہ نہ دکھائے گا تو میں بھی گمراہوں کے گروہ میں پڑ جاؤں گا۔ پھر جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو بول اٹھے اے میری قوم میں ان سب سے جن کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو، بیزار ہوں۔ میں نے تو اپنا منہ اسی ذات کی طرف یکسو ہو کر کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں''۔

قرآن حکیم میں حضرت ابراہیمؑ کی جائے پیدائش اور وطن کا تفصیلی ذکر موجود نہیں۔تاہم حضرت لوطؑ کی طرف بھیجے جانے والے فرشتوں کا حضرت ابراہیمؑ کے پاس آنے اور آپ کی زوجۂ محترمہ کو بچے کی ولادت کی خوشخبری دینے کا تذکرہ کر کے یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ ہمعصر تھے اور ایک دوسرے کے قریب بھی رہتے تھے۔

قرآن حکیم میں حضرت ابراہیمؑ سے متعلق بیان کردہ ایک اہم واقعہ، جس کا ذکر عہد نامۂ قدیم میں نہیں، تعمیرِ کعبہ ہے۔قرآنِ حکیم میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ نے کی۔آج مؤرخین کو کعبہ کے ماضی سے متعلق صرف یہ معلوم ہے کہ یہ زمانۂ قدیم سے مقدس مقام رہا ہے۔ حضورؐ سے قبل دورِ جاہلیت میں کعبہ میں بت رکھنے کا عمل حضرت ابراہیمؑ پر نازل ہونے والے آسمانی مذہب کی تعلیمات میں تحریف اور بگاڑ کا نتیجہ تھا۔

عہد نامۂ قدیم میں حضرت ابراہیمؑ کا تذکرہ:

حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں مفصّل معلومات کا ذریعہ عہد نامۂ قدیم ہے اگرچہ اس کی بیان کردہ اکثر تفصیلات معتبر نہیں۔عہد نامۂ قدیم کے مطابق آپ اُر (Ur) شہر میں ۱۹۰۰ قبل مسیح میں پیدا ہوئے جو وادیٔ نیل کے میدانوں کے جنوب مشرق میں واقع اپنے دور کا ایک مشہور شہر تھا۔جب حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے آپ کا نام ''ابراہام'' نہیں بلکہ ''ابرام'' رکھا گیا جسے بعد میں اللہ تعالیٰ نے تبدیل کیا۔

عہد نامہ قدیم کے مطابق ایک دن اللہ نے حضرت ابراہیم ں کو حکم دیا کہ وہ اپنا وطن اور لوگ چھوڑ کر ایک انجانے ملک کی طرف ہجرت کریں اور وہاں نئی بستی کی بنیاد رکھیں۔۷۵ سالہ ابراہیم ں نے اس پکار پر لبیک کہا اور اپنی اہلیہ ''سارائی'' جنہیں بعد میں سارہ یعنی شہزادی کہا گیا اور بھتیجے لوط ں کے ساتھ چل پڑے۔اس منتخب زمین کی طرف سفر کے دوران وہ کچھ دیر کے لیے حرّان میں رکے۔اور پھر اپنا سفر جاری رکھا۔جب آپ ارضِ موعودہ یعنی وادی کنعان میں پہنچے، تو انہیں بتایا گیا کہ یہ جگہ ان کے لیے خصوصی طور پر چنی گئی اور انہیں عطا کی گئی ہے۔جب آپ کی عمر ۹۹ سال ہوئی تو آپ نے اللہ سے عہد کیا اور آپ کا نام تبدیل کیا گیا۔آپ کا انتقال ۱۷۵ سال کی عمر میں ہوا اور آپ کو مغربی کنارے میں حبرون (الخلیل) کے شہر میں میکپیلا Machpelah کے غار میں دفن کیا گیا۔یہ جگہ آج کل اسرائیل کے زیر تسلط ہے۔یہ جگہ جو حضرت ابراہیم ں نے کچھ رقم دے کر خریدی تھی، ان کی اور ان کے خاندان کی ارضِ موعودہ میں پہلی ملکیت تھی۔

عہد نامہ ءقدیم اور حضرت ابراہیم ں کی جائے ولادت:

حضرت ابراہیم ں کی جائے ولادت ہمیشہ موضوع بحث رہی ہے۔عیسائیوں اور یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابراہیم ں کی ودلات وادیءدجلہ وفرات کے جنوب میں ہوئی جبکہ اسلامی دنیا کے نقطہ نظر کے مطابق آپ کی ولادت عرفہ حرّان کے قریب علاقے میں ہوئی۔جدید تحقیقات بتاتی ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا نظریہ حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔

یہودی اور عیسائی اپنے دعویٰ کے لیے عہد نامہ ءقدیم پر انحصار کرتے ہیں جس کے مطابق حضرت ابراہیم ں وادیٔ دجلہ وفرات کے جنوبی شہر اُر میں پیدا ہوئے۔اس شہر میں پیدائش اور ابتدائی زندگی گزارنے کے بعد ان کے مطابق، آپ مصر روانہ ہوئے اور ایک طویل سفر کے بعد مصر پہنچے۔دوران سفر آپ ترکی کے علاقے حرّان سے بھی گزرے۔

تاہم عہد نامہ ءقدیم کے ملنے والے ایک حالیہ نسخے نے اس سارے تصور کو غلط ثابت کر دیا ہے۔تیسری صدی قبل مسیح کے اس یونانی نسخے میں، جسے عہد نامہ ءقدیم کا سب سے قدیم ترین نسخہ تسلیم کیا گیا ہے، اُر شہر کا کوئی ذکر نہیں۔دورِ حاضر کے اکثر محققین کے مطابق عہد نامہ ءقدیم میں مذکور اُر یا تو غلط ہے یا بعد کا اضافہ ہے۔گویا حضرت ابراہیم ں اُر شہر میں پیدا نہیں ہوئے اور نہ ہی اپنی زندگی میں آپ کبھی وادیٔ دجلہ وفرات میں گئے۔

علاوہ ازیں اکثر جگہوں اور علاقوں کے نام وقت کے ساتھ تبدیل بھی ہوتے رہتے ہیں۔آج وادیٔ دجلہ وفرات سے مراد عراقی سرزمین کا وہ جنوبی حصہ ہے جو دریائے فرات اور دجلہ کے درمیان واقع ہے۔جبکہ آج سے دو ہزار سال قبل اس وادی سے مراد وہ شمالی علاقہ تھا جو حرّان تک حتیٰ کہ موجودہ ترکی علاقوں تک پھیلا ہوا تھا۔اس لیے اگر ہم عہد نامہ ءقدیم میں مذکور وادیءدجلہ وفرات کے میدانوں کو درست بھی تسلیم کر لیں یہ تصور کرنا سراسر غلط ہوگا کہ دو ہزار سال قبل کی وادیءدجلہ وفرات اور آج کی وادی ایک ہی جگہ ہیں۔

اگرچہ شہر اُر کے حضرت ابراہیم ں کی جائے پیدائش ہونے پر اختلافات ہیں مگر یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ حرّان اور اس کے قریبی علاقوں میں آپ کا قیام رہا۔مزید برآں، عہد نامہ ءقدیم پر کی جانے والی تحقیق بھی اس امر کی تصدیق کرتی ہے کہ آپ کی جائے ولادت حرّان ہے۔مثلاً عہد نامہ ءقدیم میں حرّان کے علاقے کو ''وادیءارم'' قرار دیا گیا ہے (پیدائش۔۱۳:۱۱اور ۱۰:۸۲) اور حضرت ابراہیم ں کے خاندان کے افراد کو ''ابنائے ارمی'' قرار دیا گیا ہے (استثناء ۔۵:۶۲) ۔ابراہیم ں اور ارمی میں مماثلت یہ ظاہر کرتی ہے کہ آپ نے اس علاقے میں زندگی گزاری۔

اسلامی ماخذوں کے مطابق اس بات کا بیّن ثبوت موجود ہے کہ حضرت ابراہیم ں کی جائے ولادت حرّان اور عرفہ ہے۔عرفہ میں، جسے پیغمبروں کی سرزمین کہا جاتا ہے حضرت ابراہیم ں کے متعلق بہت سی کہانیاں اور داستانیں مشہور ہیں۔

عہد نامہ ءقدیم میں تحریف کیوں کی گئی؟

عہد نامہ ءقدیم اور قرآن مجید کی بیان کردہ تفصیلات سے ابراہیم اور ابراہام دو مختلف پیغمبر معلوم ہوتے ہیں۔ قرآن کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کو بت پرست قوم کی طرف بطورِ پیغمبر بھیجا گیا وہ لوگ اجرام فلکی، ستاروں، چاند اور دیگر بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ آپ نے ان کے عقائد و نظامِ عبادات کے خلاف جدوجہد کی، انہیں خود ساختہ اور توہماتی عقائد سے نجات دلانے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں پورے معاشرے حتیٰ کہ والد کی دشمنی مول لی۔

جبکہ عہد نامہ ءقدیم میں ان تفصیلات سے کچھ بھی مذکور نہیں۔ آپ کا آگ میں پھینکا جانا، برادری کے بتوں کو توڑنا وغیرہ عہد نامہ ءقدیم میں بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہاں آپ کو یہودیوں کے جدِامجد کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ یہ امر واضح ہے کہ عہد نامہ ءقدیم میں آپ کے بارے میں یہ تصور یہودیوں نے اپنی نسلی برتری ثابت کرنے کے لیے شامل کیا۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ وہ خدا کے منتخب اور ہمیشہ کے لیے اعلیٰ و برتر قوم ہیں۔ اپنے اس عقیدے کو بیان کرنے کے لیے انہوں نے مبیّنہ طور پر الوہی صحیفہ میں کمی اور زیادتی کی۔ یہی وجہ ہے کہ عہد نامہ ءقدیم میں حضرت ابراہیمؑ کو یہودیوں کے جدِامجد کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

عیسائی، جو عہد نامہ ءقدیم کو تسلیم کرتے ہیں، بھی حضرت ابراہیمؑ کو یہودیوں کا جدِامجد تسلیم کرتے ہیں مگر ان کے نزدیک آپ یہودی نہیں بلکہ عیسائی ہیں۔ عیسائی نسلی برتری کو یہودیوں کی طرح زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ ان کا یہ اختلافی موقف دونوں مذاہب کے درمیان اختلاف کی بنیاد ہے۔ ان کے دلائل کی توضیح قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمائی ہے:

یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰۃُ وَالْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْ م بَعْدِہٖ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ O ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِیْمَا لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ ط وَال لّٰہُ ی عْ ل مُ وَاَنْ O مَاکَانَ اِبْرٰھِیْمُ یَھُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا ط وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ O اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰھِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ وَھٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ط وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ O (آل عمران۔۵۶۔۸۶)

"اے اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ توریت و انجیل، ان کے بعد اتاری گئیں کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے۔

ہاں تم تو وہی لوگ ہو جو ان باتوں میں جھگڑتے رہے جن کا تم کو کچھ علم تھا، (لیکن اب) تم اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں کچھ (بھی) علم نہیں۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

(سنو!) ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے۔ وہ تو سیدھی راہ پر چلنے والے مسلمان تھے اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھے۔

بے شک لوگوں میں ابراہیم کے ساتھ نزدیک وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی (محمدؐ) اور وہ لوگ جو آپ پر ایمان لائے ہیں۔ اور اللہ اہلِ ایمان کا دوست (حامی و مددگار) ہے"۔

الغرض عہد نامہ ءقدیم کی تفصیلات کے برعکس قرآن حکیم کے مطابق حضرت ابراہیمؑ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے اپنی قوم کو اطاعتِ الٰہی کی ترغیب اور اللہ کے عذاب سے ڈرانے کی جدوجہد کی۔ اپنی نوجوانی کے ایام ہی سے آپ نے اپنی بت پرست قوم کو بت پرستی ترک کرنے کی تلقین کی۔ آپ کی قوم نے ردِعمل میں آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ اپنی قوم کے مظالم سے بچ جانے پر آپ نے بالآخر ہجرت کی۔

باب سوم

قومِ لوطں کے احوال

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ٥ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ٥ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ٥ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ٥ (القمر۔ ۳۳۔۶۳)

''لوط کی قوم نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی۔ ہم نے ان پر پتھروں سے لدی ہوئی ہوا چلائی بجز لوط کے گھر والوں کے کہ ہم نے ان کو اخیر شب میں بچا لیا۔ محض اپنے فضل سے۔ اسی طرح ہم ان کو جزا دیتے ہیں جو شکر گزاری کرتے ہیں۔ اور اس نے (یعنی لوط نے اپنی قوم کو) ہماری گرفت سے ڈرایا۔ پھر انہوں نے اس ڈرانے میں جھگڑے نکالے''۔

حضرت لوطں حضرت ابراہیمں کے ہمعصر تھے۔ آپ کو حضرت ابراہیمں کے قریبی لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔ وہ لوگ، قرآن حکیم کے بیان کے مطابق، غیر فطری عمل یعنی لواطت کا ارتکاب کرتے تھے جو اس وقت تک دنیا کو معلوم نہ تھا۔ جب حضرت لوطں نے انہیں اس غیر فطری عمل اور بدکاری سے منع کیا اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے نہ صرف آپ کی دعوت کا انکار کیا بلکہ آپ کی نبوت تک کی تکذیب کر دی اور اپنے عملِ بد پر اڑے رہے۔ انجام کار ایک خوفناک تباہی کے ذریعے وہ لوگ ہلاک کر دیے گئے۔

عہد نامہء قدیم میں حضرت لوطں کے شہر کو سدوم کہا گیا ہے۔ تحقیقات کے مطابق بحیرہء احمر کے شمال میں واقع یہ شہر اس طرح تباہ ہوا جس طرح اس کی تفصیل قرآن حکیم میں بیان کی گئی ہے۔ آثارِ قدیمہ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ یہ شہر بحیرہء مردار کے علاقے میں واقع ہے جو اسرائیل اور اردن کی سرحد کے ساتھ پھیلا ہوا ہے۔ اس تباہی کے آثار کے مطالعے سے قبل ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قومِ لوط کو اس طرح سزا کیوں دی گئی۔ قرآن حکیم لوطں کی دعوت و انذار اور اس کے ردِ عمل میں ان کی قوم کے رویے کو یوں بیان کرتا ہے:

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ O إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ O إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ O فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ O وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ O أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ O وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ O قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ O قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ O (الشعراء۔۰۶۱۔۸۶۱)

’’قوم لوط نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا: کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ بے شک میں (اللہ کی طرف سے) تمہارے لیے ایک معتبر پیغام لانے والا ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو۔

اور میں اس پر تم سے کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ میرا اجر تو سارے جہانوں کے پروردگار ہی کے ذمہ ہے۔

کیا تم اہل عالم میں سے لڑکوں پر مائل ہوتے ہو اور اپنی بیویوں کو جو اللہ نے تمہارے لیے بنائی ہیں ان کو چھوڑے رہتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم حد ہی سے نکل جانے والے لوگ ہو۔

وہ بولے اے لوط! اگر تم (اس نصیحت کرنے سے) باز نہ آئے تو تم گھر سے نکال دیے جاؤ گے۔

لوط نے فرمایا: میں (بھی) تمہاری حرکت سے بیزار ہوں‘‘۔

قوم نے [illegible] کر دیں۔ یعنی راہِ حق کی طرف بلانے کے جواب میں آپ کی قوم نے آپ

مخالفت شروع کر دی اور آپ کو اہل ایمان کے ساتھ وطن سے نکالنے پر مصر ہو گئے۔ دوسرے مقام پر قرآن حکیم نے اس تفصیل کو یوں بیان کیا:

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ O إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُسْرِفُونَ O وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ O (الاعراف۔۰۸۔۲۸)

’’اور ہم نے لوط کو (پیغمبر بنا کر بھیجا) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسا بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا بھر میں کسی نے نہ کیا۔

بے شک تم تو عورتوں کو چھوڑ کر (خلافِ فطرت) مردوں پر خواہش نفسانی کو پورا کرنے کے لیے دوڑتے ہو، بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔

اور ان کی قوم کے پاس اس کا کچھ جواب نہ تھا سوائے اس کے کہ (آپس میں) کہنے لگے کہ ان کو اپنے شہر سے نکال دو۔ یہ لوگ بہت ہی پاکباز بنتے ہیں‘‘۔

حضرت لوطؑ نے قوم کو ایک واضح سچائی کی طرف بلایا اور انجامِ بد سے بھی ڈرایا مگر اس ڈراوے کی طرف قوم نے کچھ توجہ نہ دی اور حضرت لوطؑ کی دعوت اور عذاب سے ڈرانے کو مسلسل جھٹلاتے رہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ O أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ O (العنکبوت۔۸۲۔۹۲)

’’اور لوط نے جب اپنی قوم سے کہا تم بے حیائی کے کام کرتے ہو جو تم سے پہلے کسی نے بھی دنیا والوں میں سے نہ کیے۔

کیا تم مردوں سے بدفعلی کرتے ہو اور (آفرینش نسل کی) راہ منقطع کرتے ہو۔ اور اپنی مجلسوں میں برے کام کرتے ہو۔ تو اس کا جواب ان کے پاس اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کہہ اٹھے! اگر تم سچے ہو تو ہم پر اللہ کا قہر نازل کر دو‘‘۔

جب حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کا یہ طرزِ عمل دیکھا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی:

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ O (العنکبوت۔۰۳)

’’(چنانچہ لوطؑ نے) عرض کی اے میرے رب ان مفسد لوگوں کے خلاف میری مدد فرما‘‘۔

رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ O (الشعراء۔۹۶۱)

"اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے گھر والوں کو ان کے کاموں (کے وبال) سے نجات دے"۔

حضرت لوطں کی اس دعا پر اللہ تعالیٰ نے انسانی صورت میں دو فرشتے بھیجے۔ حضرت لوطں کی طرف آنے سے قبل فرشتے حضرت ابراہیمں کی خدمت میں گئے۔ حضرت ابراہیمں کو یہ خوشخبری دینے کے بعد کہ ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہو گا، فرشتوں نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا کہ وہ لوط کی نافرمان قوم کو تباہ کرنے کے لیے آئے ہیں:

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝ (الذّٰریت۔۳۱۔۴۳)

"(حضرت ابراہیمں نے کہا) اے فرشتو! تمہارا کیا مقصد ہے؟ انہوں نے کہا ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر مٹی کے پتھر برسائیں۔

(ایسے پتھر) جو آپ کے رب کے ہاں نشاندار ہیں اور حد سے بڑھنے والوں کے لیے ہیں"۔

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ (الحجر۔۹۵۔۰۶)

"بجز لوط کے گھر والوں کے کہ ہم ان سب کو بچا لیں گے۔ البتہ ان کی عورت اس کے لیے ہم نے طے کر لیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جائے گی"۔

حضرت ابراہیمں سے رخصت ہونے کے بعد اللہ کے فرستادہ یہ فرشتے حضرت لوطں کے ہاں آئے۔ چونکہ حضرت لوطں سے پہلے کبھی نہ ملے تھے سو انہیں دیکھتے ہی پریشان ہو گئے۔ مگر بعد میں ان سے گفتگو کرنے پر اطمینان محسوس کرنے لگے:

وَلَ مَّ ا جَ آءَ ت رُسُ لُ نَ ا لُ وْطًا سِ يْ ءَ بِ هِ مْ وَضَ اقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَ الَ هٰ ذَا يَ وْمٌ عَ صِ يْ بٌ

"اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو وہ غمگیں ہوئے اور تنگدل ہوئے اور کہا آج کا دن بڑا سخت دن ہے"۔

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝ (الحجر۔۲۶۔۶۶)

"(لوطں نے) کہا تم تو، جن لوگ معلوم ہوتے ہو!

وہ بولے بلکہ ہم آپ کے پاس وہ چیز (عذابِ الٰہی) لے کر آئے ہیں جس کے بارے میں یہ لوگ شک کرتے تھے۔

اور ہم آپ کے پاس ایک حتمی فیصلہ لے کر آئے ہیں اور بے شک ہم بالکل سچے ہیں۔

پس آپ کچھ رات رہیے اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جایئے۔ اور آپ ان کے پیچھے چلیے اور آپ میں سے کوئی مڑ کر (پیچھے) نہ دیکھے اور جہاں کا آپ کو حکم ملا ہے چلے جایئے۔

اور ہم نے اس کی طرف اپنا یہ فیصلہ بھیج دیا کہ صبح ہوتے ہی ان (نافرمان لوگوں کی) جڑ ہی کٹ جائے گی"۔

اس دوران میں قوم کو معلوم ہو گیا کہ حضرت لوطں کے ہاں کچھ مہمان آئے ہیں۔ انہوں نے ان مہمانوں سے بھی اپنے برے ارادے کی تکمیل میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی کیونکہ یہ ان کا پہلے سے معمول تھا۔ وہ لوگ آپ کے گھر کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔ اپنے مہمانوں کی عفّت و عزت بارے تشویش کے پیشِ نظر حضرت لوطں نے اپنی قوم سے اس طرح خطاب کیا:

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۝

(الحجر۔۸۶۔۹۶)

"(لوطں نے) کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں پس ان کے سامنے اور اس طرح کی باتیں کر کے مجھ کو رسوا نہ کرو اور خوفِ خدا کرو اور میری بے آبروئی نہ

کرو"۔

مگر قوم نے اس پر کہا:

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْھَکَ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ o (الحجر۔۷۰)

"وہ بولے کیا ہم نے تم کو دنیا بھر کے لوگوں کی حمایت سے منع نہیں کیا؟"

یہ سوچتے ہوئے کہ وہ اور ان کے مہمان بے آبروئی کا شکار ہو جائیں گے حضرت لوط نے فرمایا:

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍo (ہود۔۸۰)

"(حضرت لوط نے) فرمایا: اے کاش میں تمہارے مقابلے میں زور آور ہوتا یا کسی مستحکم پناہ میں جا بیٹھتا"۔

فرشتوں نے آپ کو یاد دلایا کہ آپ پریشان نہ ہوں کیونکہ وہ اللہ کے فرستادہ ہیں:

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْکَ فَاَسْرِ بِاَھْلِکَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْکُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَکَ ط اِنَّہٗ مُصِیْبُھَا مَآ اَصَابَھُمْ ط اِنَّ مَوْعِدَھُمُ الصُّبْحُ ط اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍo (ہود۔۸۱)

"وہ بولے اے لوط! ہم تمہارے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ تم تک بھی نہ پہنچ سکیں گے۔ لہٰذا کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر چلے جاؤ۔ اور تم میں کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ ہاں تمہاری عورت۔ تو جو آفت ان پر پڑنے والی ہے اس پر (بھی) پڑے گی۔ ان پر عذاب کا وقت صبح کا ہے اور صبح میں اب دیر (ہی) کیا ہے؟"۔

جب آپ کی قوم کی بداعمالیاں اپنی انتہا کو پہنچ گئیں اللہ نے لوط کو اپنے فرشتوں کے ذریعے بچا لیا۔ صبح ہوتے ہی وہ لوگ اس تباہی سے دوچار ہوئے جس سے لوط انہیں خبردار کرتے رہے تھے:

وَلَقَدْ رَاوَدُوْہُ عَنْ ضَیْفِہٖ فَطَمَسْنَآ اَعْیُنَھُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذُرِo وَلَقَدْ صَبَّحَھُمْ بُکْرَۃً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّo (القمر۔۳۷۔۳۸)

"اور ان سے ان کے مہمانوں کو برے ارادوں کے تحت لے لینا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں (ان کی روشنی سلب کر لی) اب میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو۔ اور صبح سویرے ہی ان پر دائمی عذاب آپہنچا"۔

قوم لوط کی تباہی کی تفصیل کو قرآن حکیم نے یوں بیان کیا:

فَاَخَذَتْھُمُ الصَّیْحَۃُ مُشْرِقِیْنَo فَجَعَلْنَا عَالِیَھَا سَافِلَھَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھِمْ حِجَارَۃً مِّنْ سِجِّیْلٍo اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَo وَاِنَّھَا لَبِسَبِیْلٍ مُّقِیْمٍo (الحجر۔۷۳۔۷۶)

"پس طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ان کو ایک چنگھاڑ نے آپکڑا۔

پھر ہم نے اس بستی کو تہ و بالا کر ڈالا اور آسمان سے ان پر کنکر کے پتھر برسائے۔

اور بے شک اس میں اہل فراست کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

اور (آج بھی مکہ سے شام کی) سیدھی راہ پر وہ بستی واقع ہے"۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَھَا سَافِلَھَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھَا حِجَارَۃً مِّنْ سِجِّیْلٍ لا مَّنْضُوْدٍo مُّسَوَّمَۃً عِنْدَ رَبِّکَ ط وَمَا ھِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍo (ہود۔۸۲۔۸۳)

"پھر جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اس (بستی کا) اوپر کا حصہ نیچے کر ڈالا۔ اور اس پر مسلسل پتھر کے کنکر برسائے تہ بہ تہ۔ آپ کے پروردگار کے ہاں سے نشان کیے ہوئے۔ اور ظالموں سے وہ اب بھی دور نہیں"۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ۝ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ (الشعراء۔ ۱۷۲۔۱۷۵)

"پھر ہم نے اوروں کو ہلاک کر دیا۔

اور ان پر ایک مینہ برسایا۔ سو وہ کتنا برا مینہ تھا اس ڈرائے ہوئے لوگوں پر۔

بے شک اس واقعہ میں نشانی ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے ہی نہ تھے۔

اور بے شک آپ کا رب ہی بڑی قوت والا اور رحم والا ہے"۔

جب قومِ لوطؑ پر عذاب نازل ہوا صرف حضرت لوطؑ اور آپ کے ساتھ چند اہل ایمان، جو آپ کے اہل بیت ہی تھے کو نجات ملی۔ حضرت لوطؑ کی بیوی جو آپ پر ایمان نہ رکھتی تھی، بھی تباہی سے دوچار ہوئی:

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ۝ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ۝ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۝ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ۝

(الاعراف۔۸۰۔۸۴)

"اور اس طرح ہم نے لوط کو بھیجا۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم ایسا بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا بھر میں کسی نے نہیں کیا!

بے شک تم تو عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر خواہش نفسانی کو پورا کرنے کے لیے دوڑتے ہو بلکہ تم حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔

اور ان کی قوم کے پاس اس کا کچھ جواب نہ تھا سوائے اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ ان کو اپنے شہر سے نکال دو یہ لوگ بہت ہی پاکباز بنتے ہیں۔

پھر ہم نے لوط کو اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا سوائے ان کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں رہ گئی۔

اور ان پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا۔ پس دیکھ لو کہ بدکاروں کا کیا انجام ہوا"۔

اس طرح حضرت لوطؑ اور ان کے اہل خانہ سوائے ایک عورت کے بچا لیے گئے۔ عہد نامہء قدیم کے مطابق آپ نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ہجرت کی۔ اور نافرمان لوگ تباہ کر دیے گئے اور ان کی آبادیاں زمین بوس ہو گئیں۔

قوم لوطؑ کی جھیل کی نشانیاں:

قوم لوط تباہی سے کس طرح دوچار ہوئی، سورۂ ہود میں اسے بڑے واضح طور پر بیان کیا گیا ہے: ۔

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ ۝ (ہود۔۸۲)

"پھر جب ہمارا حکم (عذاب) پہنچا، تو ہم نے اس (بستی) کا اوپر کا حصہ نیچے کر ڈالا اور اس پر مسلسل پتھر کے کنکر برسائے تہ بہ تہ۔

قرآن حکیم کا یہ بیان کہ "اس بستی کو تہ و بالا کر دیا گیا" بتاتا ہے کہ وہ علاقہ ایک خوفناک زلزلے سے کلیتاً تباہ کر دیا گیا۔ لوط کی جھیل جہاں تباہی کا یہ واقعہ پیش آیا اس کے واضح نشانات کی حامل ہے۔

معروف جرمن ماہر آثارِ قدیمہ ورنر کیلر (Keller Werner) کے مطابق:

"وادیء سدیم بشمول سدوم و گموراہ، اس علاقے میں میں پھیلی ہوئی گہری کھائی کے ساتھ پاتال میں دھنسا دی گئی تھی۔ ان کی تباہی ایک بڑے زلزلے کے نتیجے میں واقع ہوئی۔ اس زلزلے کے ساتھ دھماکہ، بجلی، قدرتی گیس اور آتش زدگی بھی اس تباہی میں شامل تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ لوط کی جھیل جسے بحیرہء مردار بھی کہا جاتا ہے زلزلوں کے اس علاقے کے انتہائی حسّاس حصے پر واقع ہے:

''بحیرہء مردار کی تہہ قشرِ ارض کی گہرائیوں میں واقع ہے۔ یہ وادی شمال میں واقع طبریہ جھیل Taberiye Lake سے جنوبی میں واقع وادیٔ عرابۃ (Arabah Valley) کے درمیان تک پھیلی ہوئی ہے۔

متذکرہ بالا آیت کے آخری حصے میں بیان کیا گیا ہے کہ ''ہم نے ان پر پختہ مٹی کے تہہ در تہہ کنکر برسائے''۔ اس سے شاید یہ مراد ہو سکتی ہے کہ اس موقع پر آتش فشانی دھماکا ہوا اور اس سے جو پتھر اور کنکر نکلے وہ گویا پختہ حالت میں تھے۔ سورۃ شعراء میں اسے یوں بیان کیا گیا:

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ o (الشعراء۔۱۷۳)

''اور ہم نے ان پر ایک مینہ برسایا، سو وہ کتنا برا مینہ تھا، ان ڈرائے ہوئے لوگوں پر''۔

اس بارے میں ورنر کیلر (Werner Keller) لکھتا ہے:

''(اس دوران) اس ساری کھائی کی تہہ میں خوابیدہ آتش فشاں سے (بے شمار) مواد نکلا۔ بشان کے قریب اردن کی بالائی وادی میں اب بھی ختم شدہ آتش فشاں کے بلند و بالا دھانے موجود ہیں اور چونے کے پتھر کی سطح والی زمین پر لاوا اور دوسرے مواد کی تہیں جمی ہوئی ہیں''۔

لاوے اور پتھریلے مواد کی یہ تہیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس جگہ کبھی آتش فشانی دھماکے اور زلزلے آئے تھے۔ قوم لوط کی تباہی کو بیان کرنے والا قرآنی بیان ''کہ ہم نے ان پر پختہ مٹی کے کنکر تہ بہ تہ برسائے'' شاید اس آتش فشانی تباہی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اور حقیقت حال کا اللہ ہی کو علم ہے۔ اور قرآن حکیم کا یہ بیان کہ ''جب ہمارا حکم آیا ہم نے شہر کو تہ و بالا کر دیا'' بھی شاید ان زلزلوں اور آتش فشانوں کی طرف اشارہ ہے جن کے اثر سے تباہ کن اثرات پیدا ہوئے اور زمین کی سطح تہ و بالا ہو کر رہ گئی۔ تاہم حقیقتِ حال اللہ ہی جانتا ہے۔

بلاشبہ لوط کی جھیل کی یہ واضح نشانیاں بہت ہی دلچسپ ہیں۔ وہ تمام واقعات جن کا تذکرہ قرآن حکیم میں کیا گیا عموماً شرق الاوسط، جزیرہ نما عرب اور مصر میں وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ ان ممالک کے عین وسط میں لوط کی جھیل واقع ہے۔ لوط کی جھیل اور وہ تمام واقعات جو اس کے گرد پیش آئے ارضیاتی طور پر بھی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ یہ جھیل بحیرۂ روم سے ۴۰۰ میٹر نیچے ہے۔ چونکہ جھیل کی گہرائی ۴۰۰ میٹر ہے، سو اس کی تہہ بحیرۂ روم کی سطح سے ۸۰۰ میٹر نیچے ہے۔ یہ زمین میں سب سے نچلا مقام ہے۔ دوسرے علاقے جو سطح سمندر سے نیچے ہیں زیادہ سے زیادہ ۱۰۰ میٹر گہرے ہیں۔ لوطوں کی جھیل کی دوسری نمایاں خصوصیت اس کے پانی میں نمک کی زیادہ مقدار کا پایا جانا ہے جس سے اس کی کثافت ۳۰% کے قریب ہے۔ اس وجہ سے کوئی بھی زندہ جاندار مثلاً مچھلی یا کائی وغیرہ اس جھیل میں زندہ نہیں رہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ادب میں اسے بحیرۂ مردار (Dead Sea) کہا جاتا ہے۔

قوم لوط کا واقعہ، جو قرآن حکیم میں بیان کیا گیا ہے، کم و بیش ۱۸۰۰ قبل مسیح کو پیش آیا۔ جرمن محقق ورنر کیلر Werner Keller نے اپنی آثارِ قدیمہ اور ارضیاتی تحقیق کی روشنی میں بیان کیا ہے کہ سدوم اور گمورا کے شہر سدیم وادی میں واقع تھے جو لوط کی جھیل کے آخری اور زیریں ترین کنارے پر واقع تھے اور یہ علاقے کبھی بہت زیادہ آبادی والے شہروں پر مشتمل تھے۔

لوط کی جھیل کی نمایاں ساختیاتی خصوصیات قرآن حکیم میں بیان کردہ واقعاتی تفصیل کی مزید توضیح کرتی ہیں:

''بحیرۂ مردار کے مشرقی ساحل پر ''اللّسان'' کا جزیرہ نما ایک زبان کی طرح پانی میں دور آگے چلا جاتا ہے۔ عربی میں ''اللّسان'' کا معنی زبان ہی ہے۔ خشکی سے نظر نہ آنے والی یہ زمین ایک بڑے زاویے کے ساتھ پانی میں گرتی ہے جس سے سمندر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اس جزیرہ نما کے دائیں طرف سے زمین نیچے گہرائی کی طرف ۱۲۰۰ فٹ تک گہری تیز ڈھلوان بناتی ہے اور جزیرہ نما کے بائیں طرف پانی نمایاں حد تک کم گہرا ہے۔ پچھلے چند سالوں کے مشاہدے کے مطابق یہ گہرائی ۵۰ سے ۶۰ فٹ تک ہے۔ بحیرۂ مردار کا یہ غیر معمولی کم گہرا حصہ جو جزیرہ نما اللّسان سے دو جنوبی کنارے تک پھیلا ہوا ہے

وادی سدیم پر مشتمل تھا"۔

ورنر کیلر(Werner Keller) کے مطابق یہ کم گہرا ہے، جو بعد میں دریافت ہوا، کسی زبردست زلزلے کی وجہ سے وجود میں آیا تھا۔اور یہی وہ جگہ تھی جہاں قومِ لوط کے شہر سدوم اور گموراہ آباد تھے۔

کبھی اس علاقے سے پیدل سفر بھی ممکن تھا۔ مگر اب یہ وادیٔ سدیم بحیرۂ مردار کے نچلے حصے کے پانی کی ایک ہموار سطح سے ڈھکا ہوا ہے۔اس علاقے میں دو ہزار قبل مسیح کو آنے والے زلزلے اور تباہی سے شمال سے نمکین پانی اس طرف آیا اور اس طرح اس جگہ نمک والا پانی جمع ہو گیا۔

لوط کی جھیل میں ماضی کے آثار بھی بڑے واضح ہیں۔اگر آدمی کشتی پر جھیل کے آخر جنوبی کنارے کی طرف سفر کرے اور سورج دائیں طرف چمک رہا ہو تو بہت ہی حیرت انگیز منظر نظر آتا ہے۔ساحل سے کچھ فاصلے پر پانی کے اندر وہ جنگل بڑے واضح طور پر نظر آتے ہیں جنہیں غیر معمولی حد تک نمکین پانی نے محفوظ کر دیا ہے۔ چمکتے ہوئے سبز پانی میں درختوں کے تنے اور جڑیں بہت ہی واضح طور پر نظر آتے ہیں۔یہ چمکتے دمکتے درخت کبھی وادیٔ سدیم میں بہت ہی دلکش اور حسین نظارہ پیش کرتے تھے۔

قومِ لوط پر آنے والی تباہی کا میکانکی پہلو بھی ماہرینِ ارضیات کی تحقیقات سے سامنے آیا ہے۔یہ تحقیقات بتاتی ہیں کہ قومِ لوط کو تباہ کرنے والا یہ عظیم زلزلہ زمین کے ۱۹۰ کلومیٹر کے فاصلے تک پھٹنے سے پیش آیا جس سے دریائے "شیریں" کی تہہ وجود میں آئی۔دریائے شیریں کی گہرائی ۱۸۰ میٹر تک ہے۔یہ دونوں حقائق اور یہ کہ لوط کی جھیل سطح سمندر سے ۴۰۰ میٹر نیچے ہے اس امر کا ثبوت ہے کہ اس علاقے میں کوئی غیر معمولی ارضیاتی واقعہ پیش آ چکا ہے۔

دریائے شیرین اور لوط کی جھیل کی دلچسپ ساخت زمین کے اس حصے سے گزرنے والے شگاف کا ایک تھوڑا حصہ ہی بناتی ہیں۔اس شگاف کی لمبائی اور ساخت حال میں ہی دریافت ہوئی ہے۔

یہ شگاف کوہِ ثور کے قریب سے شروع ہو کر لوط کی جھیل کے ساحلوں تک پھیلتا ہوا صحرائے عرب اور خلیج عقبہ تک جا پہنچتا ہے اور بحیرۂ احمر سے گزرتا ہوا افریقہ میں جا کر ختم ہوتا ہے۔اس سارے فاصلے کے ساتھ ساتھ آتش فشانی کے واقعات عام ہیں۔سیاہ پتھر اور لاوا اسرائیل میں گلیلی کی پہاڑیوں، اردن کے بالائی میدانی علاقوں، خلیج عقبہ اور دوسرے قریبی علاقوں میں عام ہیں۔

یہ تمام آثار اور جغرافیائی شواہد اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ لوط کی جھیل میں بڑا تباہی کا واقعہ پیش آ چکا ہے۔ورنر کیلر(Werner Keller) لکھتا ہے:

"وادیٔ سدیم بشمول سدوم و گموراہ، اس علاقے میں پھیلی ہوئی گہری کھائی کے ساتھ پانی میں دھنسا دی گئی تھی۔ان کی تباہی ایک بڑے زلزلے کے نتیجے میں واقع ہوئی۔اس زلزلے کے ساتھ دھماکے، بجلی، قدرتی گیس اور آتش زدگی بھی اس تباہی میں شامل تھے۔اس ساری تباہی کے عمل کے دوران اس گہری کھائی کی تہہ میں خوابیدہ آتش فشاں سے مواد نکلا۔بشان کے قریب اردن کی بالائی وادی میں اب بھی ختم شدہ آتش فشاں کے بلند و بالا دہانے موجود ہیں۔اور چونے کے پتھروں کی سطح والی زمین پر لاوا اور دوسرے مواد کی تہیں جمی ہوئی ہیں۔

دسمبر ۱۹۵۷ء کو نیشنل جیوگرافکس نے اس پر یہ تبصرہ کیا:

"سدوم کی بے آب و گیاہ اور ویران چوٹی بحیرۂ مردار سے اوپر بلند ہوتی ہے۔سدوم اور گموراہ تباہ شدہ شہروں کو کسی نے بھی نہیں دیکھا مگر محققین کا خیال ہے کہ وہ ان چٹانوں کے پار سدیم کی وادی میں واقع تھے شاید کسی بڑے زلزلے کے نتیجے میں وہ شہر بحیرۂ مردار کے سیلاب کی نذر ہو گئے۔

پومپی(Pompeii) کا انجام:

قرآن حکیم کی یہ آیات ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کرتی ہیں کہ الوہی قانون میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں آتی:

وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ لَئِنۡ جَآءَہُمۡ نَذِیۡرٌ لَّیَکُوۡنُنَّ اَہۡدٰی مِنۡ اِحۡدَی الۡاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَہُمۡ نَذِیۡرٌ مَّا زَادَہُمۡ اِلَّا نُفُوۡرَا ۙ﴿۴۲﴾ اِۨسۡتِکۡبَارًا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَکۡرَ السَّیِّیٴِ ؕ وَ لَا یَحِیۡقُ الۡمَکۡرُ السَّیِّیٴُ اِلَّا بِاَہۡلِہٖ ؕ فَہَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِیۡنَ ۚ فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا ۚ وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحۡوِیۡلًا ﴿۴۳﴾ (فاطر۔ ۴۲۔۴۳)

''اور (یہ منکر حق) اللہ کی سخت قسمیں کھاتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ ہر امّت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے۔ پھر جب ان کے پاس (واقعی) اللہ سے ڈرانے والا آیا تو اس سے ان کی نفرت ہی میں اضافہ ہوا۔

یہ سب کچھ دنیا میں غرور کرنے اور بری چالوں کے چلنے کی بنا پر ہوا، اور بری چالوں کا وبال خود مکر کرنے والوں پر ہی پڑتا ہے۔ پس کیا یہ لوگ اس دستور کے منتظر ہیں جو اگلی امتوں کے ساتھ ہوتا رہا۔ تو آپ اللہ کے دستور کو بدلتا نہ پائیں گے۔ اور اللہ کے دستور میں آپ کوئی تغیر نہ پائیں گے''۔

یقیناً اللہ کے قانون میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ ہر وہ شخص جو اللہ کے قوانین کی مخالفت کرتا ہے اور اس سے بغاوت کرتا ہے وہ اس الوہی قانون کے تحت انجام سے دوچار ہوتا ہے۔ سلطنت روم کا شہر پومپی (Pompeii) بھی اسی طرح جنسی بدفعلیوں کا شکار تھا، اس کا انجام بھی قوم لوط جیسا ہی ہوا اور اس شہر کی تباہی بھی ایک آتش فشاں وسوویس (Vesuvius) کے پھٹنے سے واقع ہوئی۔

(Vesuvius) آتش فشاں کو اطالیہ (Italy) خصوصاً نیپلز (Naples) کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔ گزشتہ دو ہزار سال سے خاموش ہونے کے باوجود اسے ''ڈراوے کی پہاڑی'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس آتش فشاں کو یہ نام بلا وجہ نہیں دیا گیا۔ وہ تباہی جو سدوم اور گموراہ میں آئی اسی طرح کی ہے جو پومپی (Pompeii) پر آئی۔

وسوویس (Vesuvius) کے دائیں طرف نیپلز اور بائیں طرف پومپی شہر واقع ہے۔ اس بڑے آتش فشاں سے دو ہزار سال قبل نکلنے والے لاوے اور آگ نے اس شہر کے مکینوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ تباہی اتنی اچانک تھی کہ عین دن کے وقت رواں دواں زندگی اس کی لپیٹ میں آ گئی اور آج بھی اس کے آثار اسی طرح موجود ہیں جیسا کہ دو ہزار سال قبل تھے۔ ایسے لگتا ہے کہ وقت کے دھارے کو منجمد کر دیا گیا ہو۔

پومپی کو دنیا کے نقشے سے اس طرح مٹا دینا ہر گز بے مقصد نہ تھا۔ تاریخی شواہد گواہ ہیں کہ یہ شہر گناہ اور بدکاریوں کا مرکز تھا۔ اس شہر میں بدکاری اور زنا اتنا عام تھا کہ بدکاری کے اڈوں کی تعداد تک کا شمار نہ تھا۔ رنڈیوں کے گھروں پر اصل سائز کے مردانہ عضوِ تناسل لٹکائے جاتے تھے۔ گویا ان لوگوں کی روایات کے مطابق اعضائِ مخصوصہ اور جنسی اختلاط کو پوشیدہ نہیں رکھا جاتا تھا بلکہ ان کی نمائش کی جاتی تھی۔

مگر وسوویس (Vesuvius) کے آتش فشاں نے سارا شہر آناً فاناً صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ اس المیے کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ آتش فشاں کا شور سن کر بھی کوئی شخص فرار نہ ہوا۔ گویا وہ اپنی مستی میں اتنے مگن تھے کہ انہیں اس کا خیال تک نہ آیا۔ ایک خاندان جو کھانا کھا رہا تھا اس حالت میں پتھر بن گیا۔ لاوے سے متحجر ہونے والے اکثر جوڑے جنسی فعل میں مشغول تھے۔ سب سے دلچسپ بات یہ کہ اکثر جوڑے ہم جنس تھے اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں پر مشتمل تھے۔ کھدائیوں سے نکلے والے اکثر متحجر انسانی چہرے بالکل صحیح اور سالم ہیں اور ان کے چہروں سے بوکھلاہٹ اور پریشانی نمایاں ہے۔

اس تباہی کے منظر کا ناقابل فہم پہلو یہ ہے کہ یہ ہزاروں لوگ کس طرح کوئی چیز دیکھے اور سنے بغیر موت کے انتظار میں پڑے رہے؟ اس پہلو کا جواب یوں ملتا ہے کہ پومپی کی تباہی بھی ماضی کی قوموں کی اس تباہی سے مشابہ ہے جسے قرآن نے ''اچانک تباہی'' سے موسوم کیا ہے۔ سورۂ یٰسین میں ساکنانِ شہر کی تباہی کو اس طرح ایک لمحے میں یک لخت تباہی کہا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنۡ کَانَتۡ اِلَّا صَیۡحَۃً وَّاحِدَۃً فَاِذَا ہُمۡ خٰمِدُوۡنَ ﴿۲۹﴾ (یٰسین۔ ۲۹)

''بس یہی ایک چنگھاڑ تھی۔ بس وہ سب اسی دم بجھ کر رہ گئے!''

سورۂ قمر میں گموراہ کی تباہی کو ایسی ہی یک لخت تباہی سے موسوم کیا گیا:

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ○

(القمر۔۱۳)

’’ہم نے ان پر ایک سخت چیخ بھیجی۔ پھر وہ اس طرح ہلاک ہو کر رہ گئے جیسے کانٹوں کی روندھی ہوئی باڑھ‘‘۔

پومپی کے مکینوں کی تباہی بھی اسی طرح اچانک ہوئی جو متذکرہ بالا آیات میں بیان کی گئی ہے۔ اس سب کے باوجود آج بھی حالات وہی ہیں جو پومپی شہر کے مکینوں کے تھے۔ کیپری کا جزیرہ وہ جگہ ہے جہاں ہم جنس پرست اور برہنہ پرست لوگ رہتے ہیں۔ ٹورسٹ کمرشل میں کیپری کے جزیرے کو ’’ہم جنسوں کی جنت‘‘ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ نہ صرف کیپری یا اٹلی میں بلکہ پوری دنیا میں اسی طرح کا اخلاقی زوال طاری ہے اور لوگوں کی روش یہ ہے کہ وہ ماضی کے ان خوفناک تجربات سے کچھ بھی سیکھنے کے لیے تیار نہیں۔

باب چہارم

قوم عاد کا تذکرہ

وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ○ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعٰى كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ○ فَهَلْ تَرٰى لَهُم مِّنۢ بَاقِيَةٍ ○

(الحاقۃ۔۶۔۸)

’’اور عاد تو ایک تند و تیز اور سخت ہوا سے تباہ کر دیے گئے۔

جس کو اللہ نے ان پر سات رات اور آٹھ دن تک متواتر مسلط رکھا۔ پھر تو ان لوگوں کو اس (آندھی) میں دیکھتا تو ان کو ایسا گرا ہوا پاتا جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے۔

پھر کیا تو ان میں سے کسی کو آج بچا ہوا دیکھتا ہے؟‘‘

قرآن حکیم میں مذکورہ تباہی سے دوچار ہونے والی ایک قوم عاد ہے جن کا تذکرہ قوم نوح کے بعد کیا گیا ہے۔ ان کی طرف حضرت ہودں کو بھیجا گیا۔ آپ نے دوسرے انبیاء کی طرح ان لوگوں کو شرک ترک کرنے اور ایک اللہ پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت کرنے کا درس دیا۔ مگر اس کے جواب میں آپ کی قوم آپ کی دشمن بن گئی۔ انہوں نے آپ پر کم عقلی، کذب اور آباء واجداد کے بتائے ہوئے نظام زندگی کو تہ و بالا کرنے کا الزام لگایا۔ قرآن حکیم نے حضرت ہودں کی دعوت حق اور آپ کی قوم کے رد عمل کو یوں بیان کیا ہے:

وَإِلٰى عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ط قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ ط إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ○ يٰقَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ط إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ط أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ○ قَالُوا يٰهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ○ إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ط قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ○ مِن دُونِهِ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ○ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ ط مَا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ط إِنَّ رَبِّي عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ○ فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ط وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ ج وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ط إِنَّ رَبِّي عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ○ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَّالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ج وَنَجَّيْنٰهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ○ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ○ وَأُتْبِعُوا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ط أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ○ (ہود۔۰۵۔۰۶)

''اور قومِ عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ یہ تمہارا محض اللہ پر بہتان باندھنا ہے۔

اے میری قوم! میں اس پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا اجر تو اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے تو کیا تم نہیں سمجھتے۔

اور اے میری قوم! اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ اللہ تم پر آسمان سے موسلا دھار مینہ برسائے گا اور تم کو قوی سے قوی تر کر دے گا۔ اور گنہگار بن کر رو گردانی نہ کرو۔

وہ بولے اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی سند لے کر نہیں آئے۔ اور محض تمہارے کہنے سے نہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں۔

ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تم کو بری طرح آسیب زدہ کیا ہے۔

ہود نے کہا! میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم شریک بناتے ہو۔

اس اللہ کے سوا۔ تم سب مل کر میرے بارے میں جو برائی کرنی چاہو کر لو پھر مجھ کو مہلت نہ دو۔

اور میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ ہر چلنے پھرنے والے کی چوٹی اس کے ہاتھ میں ہے۔ بے شک میرا رب سیدھے راستہ پر ہے۔

اب اگر تم اور رو گردانی کرتے رہے تو جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے میں نے وہ تم تک پہنچا دیا ہے اور میرا پروردگار تمہاری جگہ کسی اور قوم کو قائم مقام بنائے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ بے شک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔

اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے ہود کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ایک سخت عذاب سے ہم نے ان کو نجات دی۔

اور یہ تھی قوم عاد جس نے اپنے رب کی نشانیوں سے انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی۔ اور ہر سرکش و متکبر کی فرمانبرداری کی۔

اور اس دنیا میں بھی لعنت کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی۔ دیکھو عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا۔ خوب سن لو ہود کی قوم عاد پر پھٹکار ہے!''

قوم عاد کا تذکرہ دوسرے مقام پر سورۂ شوریٰ میں کیا گیا۔ اس سورۃ میں قوم عاد کی کچھ خصوصیات بیان کی گئیں۔ اس تفصیل کے مطابق عاد اونچے مقامات پر اپنے نشانات تعمیر کرتے تھے اور وہ اپنے لیے رہائش کی اعلیٰ و عمدہ عمارات تعمیر کرتے تھے۔ ان کا عمومی سماجی رویہ بغاوت، گمراہی اور ظلم پر مبنی تھا۔ جب حضرت ہودؑ نے انہیں اس سے باز رہنے کی تلقین کی اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو انہوں نے اسے پرانا معمول قرار دیا۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ حضرت ہودؑ کی دعوت اور انذار ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا:

كَذَّبَتْ عَادُ نِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِىْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ
وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝
فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

(الشعراء۔۳۲۱۔۰۴۱)

''قوم عاد نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔

جب ان کے بھائی ہود نے ان سے کہا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے

بے شک میں تمہارے لیے امانت دار رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

اور میں تم سے اس کا صلہ نہیں چاہتا میرا اجر تو سب جہانوں کے پروردگار کے ذمہ ہے۔

کیا تم ہر اونچی زمین پر ایک فضول نشان بناتے ہو۔

اور تم پر تکلف محل بناتے ہو کہ شاید تم ہمیشہ رہو گے۔

اور جب تم کسی کی گرفت کرتے ہو تو بڑی بے دردی سے گرفت کرتے ہو۔

پھر اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

اور اس سے ڈرو جس نے تم کو وہ بے شمار چیزیں عطا فرمائیں جو تم جانتے ہو۔

تم کو چوپائے اور بیٹے عطا کیے۔

اور باغات اور چشمے عطا کیے۔

مجھے تمہارے بارے میں ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

بولے تم ہم کو نصیحت کرو یا نہ کرو ہمارے لیے یکساں ہے۔

یہ تو اگلے لوگوں کی عادت ہے۔

اور بہر حال ہم کو کوئی عذاب نہ ہو گا۔

غرض انہوں نے ہود کو جھٹلایا سو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ بے شک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان لانے والے ہی نہ تھے۔

اور بلاشبہ آپ کا رب بڑا غلبے والا اور مہربان ہے"۔

جن لوگوں نے ہودں کی مخالفت اور اللہ کے احکامات سے بغاوت کی ہلاک کر دیے گئے۔ ایک خوفناک طوفان نے عاد کو اس طرح تباہ و برباد کر دیا گویا کہ وہ کبھی تھے ہی نہیں۔

ارم شہر کے قدیم آثار:

۱۹۹۰ء کے اوائل میں دنیا بھر کے معروف اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی "عرب کا فراموش شدہ شہر دریافت"، "عرب کا داستانی شہر دریافت"، "ریت کا سمندر عبار دریافت ہو گیا"۔ ماہرین آثار قدیمہ کی اس دریافت کی اہمیت اس امر سے بھی دوچند ہو گئی کہ اس شہر کا تذکرہ قرآن حکیم نے بھی کیا ہے۔ بہت سے ایسے لوگ جن کا خیال تھا قرآن میں مذکور قوم عاد یا تو کسی داستان سے تعلق رکھتی ہے یا ان کی جگہ کا تعین ناممکن ہے، اس دریافت سے ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے۔ وہ شہر جو بدوؤں کی زبانی داستانوں میں موجود تھا، اس کی دریافت سے بہت ہی دلچسپی اور تجسس پیدا ہو گیا۔

قرآن حکیم میں مذکور اس شہر کو ایک شوقیہ ماہر آثار قدیمہ نکولس کلیپ (Nicholas Clapp) نے دریافت کیا۔ عربی تاریخ اور دستاویزی فلموں کا ماہر ہونے کے ناطے اسے اپنی تحقیق کے دوران عرب کی تاریخ سے متعلق ایک نادر کتاب دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ کتاب ایک انگریز محقق برٹرم تھامس (Bertram Thomas) کی کتاب عریبیا فلیکس (Arabia Felix) تھی جو اس نے ۱۹۳۲ء میں لکھی تھی۔ اس کتاب میں جزیرہ نما عرب کے جنوبی حصوں کی تفصیلات بیان کی گئی تھی جس میں آج کے یمن اور عمان کا اکثر حصہ شامل ہے۔ اس علاقے کو یونانی یوڈیم عریبیا (Eudaimon Arabia) اور قرون وسطیٰ کے عرب سکالر "الیمن السعیدہ" کہتے تھے۔

ان تمام ناموں کا مفہوم "خوش نصیب عرب" ہے۔ کیونکہ اس دور میں ان علاقوں میں رہنے والے لوگ دنیا کے سب سے زیادہ خوش نصیب لوگ تصور

ہوتے تھے۔اور اس خوش نصیبی کی کچھ وجوہات بھی تھیں۔اس علاقے کے لوگ ایک اہم خطے کے باسی تھے جہاں وہ ہند اور شمالی علاقوں کے مابین مسالوں کی تجارت میں مرکزی کردار ادا کرتے تھے۔اس علاقے میں لوبان اور پایاب درختوں سے خوشبودار ماہ بھی پیدا ہوتا تھا جس کی اس دور میں مذہبی تہواروں میں استعمال کی وجہ سے سونے سے بھی زیادہ قدر و قیمت تھی۔اس کے مالک اس خطے کے رہنے والے ہی تھے۔

انگریز محقق تھامس نے ان خوش نصیب قبیلوں کے حالات کو تفصیل سے بیان کیا اور دعویٰ کیا کہ اس نے ان میں ایک قبیلے کے آباد کردہ شہر کو دریافت کر لیا ہے۔بدوؤں کے مطابق یہ شہر عبار تھا۔اس علاقے کے ایک دورے کے دوران صحرا میں رہنے والے خانہ بدوشوں نے اسے پرانے راستے بھی دکھائے اور بتایا کہ یہ راستے اس قدیم گھر عبار کی طرف جاتے ہیں تاہم تھامس اپنی اس انتہائی دلچسپی کی حامل تحقیق کی تکمیل سے قبل ہی انتقال کر گیا۔

کلیپ(Clapp) کو انگریز محقق تھامس کی کتاب کے مطالعے کے بعد اس امر کا یقین ہو گیا کہ اس کتاب میں مذکور گمنام شہر کا وجود ہے۔اب اس نے اس شہر کی تلاش شروع کر دی۔اس شہر کی دریافت کے لیے اس نے دو طریقے اختیار کئے۔پہلے اس نے خانہ بدوشوں کے بتائے ہوئے راستوں کا کھوج لگایا۔پھر ناسا(NASA) سے درخواست کی کہ اسے اس علاقے کی فضائی تصویر مہیا کی جائے۔کافی جدوجہد کے بعد اس نے ناسا(NASA) کے ذمہ داران کو علاقے کی تصویریں فراہم کرنے پر راضی کر لیا۔

کلیپ(Clapp) نے کیلیفورنیا کی ہنٹنگٹن(Huntington) لائبریری کے پرانے مسودات اور نقشوں کا مطالعہ جاری رکھا۔اس کا مقصد اس علاقے کے کسی نقشے کی دریافت تھا۔تھوڑے ہی عرصے میں اس نے ایک نقشہ دریافت کر لیا۔یہ نقشہ ۲۰۰ صدی عیسوی میں یونانی مصری ماہر جغرافیہ بطلیموس نے بنایا تھا۔اس نقشے میں علاقے میں موجود پرانے شہر کا محلِ وقوع اور اس کی طرف جانے والے تمام راستے دکھائے گئے تھے۔

اس دوران اسے اطلاع ملی کہ ناسا (NASA) نے تصاویر بنالی ہیں۔ان تصاویر میں کچھ قافلوں کے کچھ راستے بھی نظر آ رہے تھے جنہیں شاید عام آنکھ سے نہ دیکھا جا سکتا اور صرف آسمانی منظر سے ہی دیکھے جا سکتے تھے۔ان تصاویر کا تقابل پرانے نقشے سے کرنے سے کلیپ(Clapp) اس نتیجے پر پہنچا کہ پرانے نقشے میں جو راستے دکھائے گئے تھے وہ وہی راستے تھے جو سیٹلائٹ سے لی گئی تصاویر میں نظر آ رہے تھے۔ان راستوں کے آخر میں ایک وسیع جگہ واقع تھی جو لازماً کبھی کوئی شہر تھا۔

آخر کار خانہ بدوشوں کی زبانی کہانیوں میں بیان کیے جانے والے قدیم اور افسانوی شہر کا محل وقوع دریافت کر لیا گیا تھا۔کچھ وقت کے بعد کھدائیاں شروع کر دی گئیں اور ریت کے نیچے سے پرانے شہر کے آثار سامنے آنے لگے۔اس طرح اس پرانے شہر کو ریت کا شہر (اطلانیطہ) عبار قرار دیا گیا۔

وہ کون سے شواہد تھے جن سے یہ ثابت ہوتا کہ یہ شہر اسی قومِ عاد کی بستی ہے جن کا تذکرہ قرآن حکیم میں کیا گیا ہے؟

کھدائیوں کے آغاز میں ہی جب آثار سامنے آنے لگے یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ یہ تباہ شدہ شہر قرآن حکیم میں مذکور عاد اور ارم کے ستونوں کا شہر ہے کیونکہ سامنے آنے والی تعمیرات میں وہ مینار بھی شامل تھے جن کا ذکر قرآن حکیم میں کیا گیا ہے۔کھدائیاں کرنے والی ٹیم کے نگران ایک محقق ڈاکٹر زرینز(Dr. Zarins) نے بتایا کہ چونکہ میناروں کی تعمیر عبار کی اہم خصوصیت تھی اور ارم میں مینار یا ستون تعمیر کیے گئے تھے، سو یہ اس بات کا قوی ثبوت تھا کہ سامنے آنے والا شہر قرآن حکیم میں مذکور عاد کا شہر ارم ہی تھا۔قرآن حکیم نے ارم کا تذکرہ یوں کیا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِیْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝ (الفجر۔۶-۸)

"کیا آپ نے ملاحظہ نہ کیا کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا؟

بڑے بڑے ستون والے جو ارم کہلاتے تھے۔

جن کا مثل دنیا بھر میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا"۔

قومِ عاد:

ان شواہد سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عبار لازماً وہی شہرِ ارم ہے جس کا تذکرہ قرآن حکیم میں کیا گیا۔ قرآن حکیم کے مطابق اس شہر کے مکینوں نے حضرت ہود کی دعوت پر لبیک نہ کہا جو ان کے پاس اللہ کا پیغام لے کر آئے تھے اور اس طرح وہ تباہی سے دوچار ہو گئے۔

شہرِ ارم کی بنیاد رکھنے والے عاد کی شناخت بھی موضوعِ بحث رہی ہے۔ کیونکہ تاریخی ریکارڈ میں کسی ایسی قوم کا ذکر نہیں ملتا جس نے ایسا کلچر یا تہذیب قائم کیا ہو۔ اس سے گمان ہو سکتا ہے کہ اس طرح کی کسی قوم کا وجود تاریخ میں کبھی موجود ہی نہیں رہا۔ مگر دوسری طرف یہ امر بھی باعث حیرت نہیں ہونا چاہئے کہ ان لوگوں کا تذکرہ قدیم تہذیبوں کی تاریخ یا ریکارڈ میں موجود نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ جنوبی عرب میں رہتے تھے اور یہ علاقہ وادیٔ نیل یا مشرقِ وسطیٰ سے بہت زیادہ فاصلے پر اور الگ تھلگ واقع تھا۔ اور ان لوگوں کا ان سے بڑا ہی محدود تعلق تھا۔ یہ ایک عام سی بات ہے کہ وہ ریاست یا ملک جس کے بارے میں ہمعصر کم جانتے ہوں اس کا تذکرہ تاریخ میں نہ آئے۔ مگر اس کے باوجود مشرقِ وسطیٰ کے لوگ عاد کے بارے میں کہانیاں بیان کرتے رہے ہیں۔

عاد کے سابق تاریخی تحریری ریکارڈ میں مذکور نہ ہونے کی ایک وجہ اس دور میں تحریری ابلاغ کا نہ ہونا بھی ہے۔ اس لیے یہ عین ممکن ہے کہ وہ تہذیب جس کی بنیاد عاد نے رکھی اس دور کی ان تہذیبوں کے ساتھ تاریخ مذکور نہ ہو سکی جو اپنا تحریری ریکارڈ رکھتی تھیں۔ اگر یہ تہذیب کچھ عرصہ مزید قیام پذیر رہتی تو ممکن تھا کہ آج ہمیں ان لوگوں کے بارے میں زیادہ معلومات ہوتیں۔

اگرچہ عاد کے بارے میں کوئی تحریری ثبوت موجود نہیں مگر ان کی بعد کی نسل کے بارے میں اہم معلومات کا میسر ہونا اور ان معلومات کی روشنی میں عاد کے بارے میں قرآنی اندازہ قائم کرنا ممکن ہے۔

عاد کی اولاد، اہلِ حضر موت کے حالات:

عاد اور ان کے بعد میں آنے والے اخلاف کی قائم کردہ تہذیب میں سب سے پہلے دیکھنے کی جگہ جنوبی یمن ہے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں یہ ریت کا سمندر پایا گیا ہے اور جسے "خوش نصیب عرب" قرار دیا گیا تھا۔ موجودہ تاریخ سے پہلے جنوبی یمن میں چار طرح کی اقوام رہیں جنہیں یونانیوں نے "خوش نصیب" عرب کہا تھا۔ یہ اہلِ حضر موت، اہلِ سبا، اہلِ مینا اور قطبی ہیں۔ ان لوگوں کی حکمرانی کچھ عرصے کے لیے ایک ہی دور میں قریبی علاقوں میں قائم تھی۔

بہت سے موجودہ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ عاد ایک تغیر و تبدل کے دور سے گزرے اور پھر تاریخ کے ایک مرحلے پر ظاہر ہوئے۔ اوہیو (Ohio) یونیورسٹی کے ایک محقق ڈاکٹر میکائیل ایچ رحمن (Dr. Mikail H. Rahman) کے خیال میں عاد جنوبی یمن کے چار قبائل میں سے ایک اہل حضر موت کے آباؤ اجداد ہیں۔ ۵۰۰ ق م میں اس علاقے میں رہنے والے اہلِ حضر موت واحد معلوم قوم ہے جسے لوگ خوش نصیب عرب کہتے تھے۔ یہ قوم جنوبی یمن کے علاقے پر طویل عرصے تک حکمران رہی اور زوال کی طویل موت کے بعد ۲۴۰ عیسوی کو کلیتاً نابود ہو گئی۔

حضرمی کا نام بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہ عاد کی اولاد سے ہیں۔ یونانی مصنف پلائنی (Pliny) جس کا تعلق تیسری صدی ق م سے ہے بھی اس قبیلہ کو "ادرمی" کے نام سے موسوم کرتا ہے جس سے مراد حضرمی ہی ہے۔

یونانیوں کی اصطلاحات میں اسم کو بطور لاحقہ استعمال کیا جاتا ہے۔ سوان کا تراشا ہوا لفظ "ادرم" صاف طور پر قرآن حکیم میں مذکور "عادِ ارم" کی بگڑی ہوئی شکل معلوم ہوتا ہے۔

یونانی ماہر جغرافیہ بطلیموس (AD ۱۰۰-۱۵۰ء) بتاتا ہے کہ جزیرہ نما عرب کے جنوب میں "ادرمی" قوم رہتی تھی۔ اس علاقے کو تا حال "حضر موت" کہا جاتا تھا۔ حضرمی ریاست کا دارالحکومت "شیبواہ" حضر موت وادی کے مغرب میں واقع تھا۔ کئی پرانی روایات کے مطابق عاد کی طرف مبعوث ہونے والے پیغمبر حضرت ہود کا مزار بھی حضر موت میں ہی ہے۔

ایک اور عنصر جو حضرمیوں کے عاد کی نسل اور تسلسل ہونے کو تقویت دیتا ہے ان کی دولت ہے۔ یونانیوں نے حضرمیوں کو دنیا کی امیر ترین قوم قرار دیا۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرمی لوبان کی کاشت وپیداوار میں بہت ہی ترقی یافتہ تھے جو اپنے دور کا ایک بہت ہی قیمتی پودا تھا۔ انہوں نے اس پودے کے استعمال کو بہت ہی وسیع کر دیا تھا۔ اس پودے کی آج کی کاشت کی نسبت حضرموت میں کاشت کہیں زیادہ تھی۔

حضرموت کے دارالحکومت ''شیبواہ'' کی کھدائیوں سے بھی کئی دلچسپ معلومات سامنے آئی ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں ہونے والی ان کھدائیوں سے شہر کے آثار تک ریت کی گہری تہوں کی وجہ سے رسائی حاصل کرنا بہت مشکل تھا تاہم کھدائی کے اختتام پر سامنے آنے والے آثار حیران کن تھے۔ سامنے آنے والا شہر اب تک دریافت ہونے والے شہروں سے زیادہ دلچسپی کا حامل تھا۔ دیواروں میں گھرا ہوا یہ شہر قدیم یمن کی اب تک سامنے آنے والی تمام جگہوں سے زیادہ بڑا تھا اور اس کا محل حقیقی معنوں میں ایک پر شکوہ اور عظیم عمارت تھا۔

بلاشبہ یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حضرمیوں نے فن تعمیر کی یہ مہارت اپنے آباءواجداد عاد سے حاصل کی تھی۔ حضرت ہودں نے عاد کو عذابِ الٰہی سے خبردار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

اَتَبۡنُوۡنَ بِكُلِّ رِيۡعٍ اٰيَةً تَعۡبَثُوۡنَ o وَتَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمۡ تَخۡلُدُوۡنَ o

(الشعراء۔۱۲۸۔۱۲۹)

''کیا تم ہر اونچی زمین پر ایک نشان فضول بنایا کرتے ہو۔ اور تم محل بناتے ہو شاید تم ہمیشہ رہو گے''۔

شیبواہ میں موجود عمارات کی ایک اہم خصوصیت ان کے بڑے بڑے ستون ہیں۔ یہ ستون گول اور منفرد ساخت کے ہیں اور گول پیش گاہ کے طور پر نصب کیے گئے ہیں جبکہ یمن کے دوسرے علاقوں میں پائے جانے والے ستون مربع ساخت کے ہیں۔ شیبواہ کے لوگوں نے فن تعمیر کی یہ انفرادیت اپنے آباءو اجداد سے ورثے میں پائی ہو گی۔ نویں صدی عیسوی کا قسطنطنیہ کا بزنطینی بشپ ایڈ فوٹیئس (Ad. Photius) قدیم یونانی مسودات تک رسائی رکھتا تھا جو آج موجود بھی نہیں ہیں۔ وہ اگاتھرشیڈس (Agatharachides) (۱۳۲'۔م) کی بحیرۂ احمر سے متعلق تصانیف سے بھی آگاہ تھا۔ اس نے جنوبی عرب کے بارے میں بہت تحقیق کی۔ وہ اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے:

''یہ کہا جاتا ہے کہ جنوبی عرب کے لوگوں نے ایسے بہت سے ستون بنائے تھے جن پر سونا چڑھا ہوا تھا یا وہ چاندی کے بنے ہوئے تھے۔ ان ستونوں کے درمیان وقفہ قابل دید ہے''۔

اگرچہ فوٹیئس کا یہ بیان حضرمیوں سے براہ راست متعلق نہیں ہے مگر یہ اس علاقے کے لوگوں کے عمارتی ذوق اور فنِ تعمیر کی طرف ضرور رہنمائی کرتا ہے۔ کلاسیکل یونانی مصنّفین پلائنی اور سٹرابو (Strabo) نے ان شہروں کو ''خوبصورت عبادت گاہوں اور محلات سے سجے ہوئے'' شہر لکھا ہے۔

جب ہم یہ تصور کرتے ہیں کہ ان شہروں کے رہنے والے عاد کی اولاد تھے تو قرآن حکیم کا قوم عاد کے بارے میں یہ فرمانا سمجھ میں آجاتا ہے کہ ''شہر ارم بلند ستونوں والا'' (الفجر۔۷)

عاد کے چشمے اور باغات:

آج اگر کوئی جنوبی عرب میں سفر کرے تو اسے وسیع لق ودق صحرا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس علاقے کی اکثر جگہیں سوائے چند کے، ریت سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ یہ صحرا سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال سے یہاں موجود ہیں۔

مگر قرآن حکیم ہمیں قومِ عاد کے بارے میں حیران کن معلومات دیتا ہے۔ حضرت ہودں نے انہیں عذابِ الٰہی سے خبردار کرتے ہوئے ان کی توجہ ان باغات اور چشموں کی طرف مبذول کروائی جن سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نوازا تھا:

فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ o وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّکُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ o اَمَدَّکُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ o وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ o اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ o

(الشعراء۔۱۳۱۔۵۳۱)

''پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

اور اس سے ڈرو جس نے تمھیں وہ چیزیں عطا کیں جو تم جانتے ہو۔

تم کو چوپائے اور بیٹے عطا کیے

اور باغات اور چشمے

مجھے تمہارے بارے میں ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے''۔

مگر جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے عبار جسے شہرِ ارم قرار دیا گیا ہے اور جو عاد کا شہر تھا اب مکمل طور پر صحرا میں بدل چکا ہے۔ تو پھر ہودں نے کیوں اس طرح خطاب کیا؟

اس سوال کا جواب تاریخ کے ماحولیاتی انقلاب سے ہے۔ تاریخی ریکارڈ بتاتا ہے کہ یہ علاقے جو اب مکمل صحرا میں بدل چکے ہیں کبھی بہت ہی زرخیز میدان تھے۔ اس کا بڑا حصہ سرسبز باغات سے ڈھکا ہوا تھا جیسا کہ قرآن حکیم نے بیان کیا ہے۔ اور چند ہزار سال قبل تک یہاں کے لوگ بہت ہی خوشحال تھے۔ جنگلات نے علاقے کے سخت موسم کو خوشگوار کر دیا تھا۔ اگرچہ صحرا موجود تھے مگر اتنے زیادہ رقبے پر نہ تھے۔

جنوبی عرب میں عاد کے رہنے کے حوالے سے بھی کئی اشارات ملے ہیں جو اس سوال کی وضاحت کرتے ہیں۔ ان آثار کے مطابق اس علاقے کے لوگ اعلیٰ معیار کے نظامِ آبپاشی کے مالک تھے اور اس نظامِ آبپاشی کا واحد مقصد زراعت تھا۔ یہی علاقے جہاں آج زندگی محال ہے کبھی کاشتکاری اور کھیتی باڑی ہوتی تھی۔ اس علاقے کی فضائی تصاویر سے بھی اس علاقے میں نہروں اور ڈیموں پر مشتمل ایسے نظامِ آبپاشی کا سراغ ملا ہے جس میں ان شہروں کے ۲۰۰,۰۰۰ سے زائد افراد کی ضروریات پوری کی جاتی تھیں۔ جیسا کہ اس سے متعلق ایک محقق ڈوئے (Doe) نے لکھا:

''مآرب کا علاقہ اتنا زرخیز تھا کہ یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مآرب اور حضر موت کا تمام درمیانہ علاقہ کبھی زیرِ کاشت رہا ہے''۔

معروف یونانی مصنف پلائنی (Pliny) نے اس علاقے کو بہت ہی زرخیز علاقہ قرار دیا تھا جہاں دھند چھائی رہتی تھی، درختوں والی پہاڑیاں، دریا اور وسیع جنگلات تھے۔ حضر موت کے دارالحکومت شیبواہ سے ملنے والے کئی کتبوں میں ایسی تحریریں ملی ہیں کہ یہاں کثیر تعداد میں مویشی پائے جاتے تھے جن سے کئی کی قربانی بھی کی جاتی تھی۔ ان سب حقائق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ علاقہ کبھی بہت ہی زرخیز علاقہ تھا۔

صحراؤں کے پھیلنے اور زرخیز زمینوں کو ہڑپ کرنے کی رفتار کا اندازہ پاکستان کے سمتھ سونین انسٹی ٹیوٹ (Smithsonian Institute) کی رپورٹ سے کیا جا سکتا ہے۔ اس کے مطابق وہ علاقے جو قرونِ وسطیٰ میں زرخیز تھے آج صحرا ہیں جہاں ۶ میٹر بلند ریت کے ٹیلے ہیں۔ اس طرح صحرا اوسطاً ۶ انچ یومیہ کی رفتار سے آگے بڑھتے ہیں۔ اس رفتار سے بہت بلند عمارتوں کو بھی دفن کر سکتی ہے گویا کہ وہ کبھی تھیں ہی نہیں۔ اس لیے یمن میں تمنہ (Timma) کی ۱۹۵۰ء میں کی گئی کھدائیاں اب دوبارہ ریت کے نیچے آ چکی ہیں۔ اہرامِ مصر بھی کبھی ریت میں دفن تھے اور بہت ہی طویل عرصے تک کھدائیوں کے بعد وہ منظرِ عام پر آ سکے۔ یعنی وہ علاقے جو آج صحرا ہیں عین ممکن ہے کہ ماضی میں بالکل مختلف منظر پیش کر رہے ہوں۔

عاد کس طرح تباہ کیے گئے؟

قرآن حکیم میں عاد کی تباہی کا سبب ''خوفناک ہوا'' کو قرار دیا گیا ہے۔ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ یہ ہلاکت آفریں ہوائیں سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہیں حتیٰ کہ عاد مکمل طور پر تباہ و برباد ہو گئے:

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِo اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّo تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍo (القمر۔۱۸۔۲۰)

''عاد نے تکذیب کی تھی۔ پھر میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔

ہم نے ان پر تند ہوائیں بھیجیں۔ ایک دائمی نحوست کے دن میں

(یہ) لوگوں کو اکھاڑ پھینکتیں گویا وہ اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں''۔

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍo سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍo (الحاقۃ۔۶۔۷)

''اور رہی قوم عاد تو وہ ایک نہایت تند و تیز اور سخت ہوا سے تباہ کر دیے گئے۔

جس کو اللہ نے ان پر سات رات اور آٹھ دن تک متواتر مسلط رکھا۔ پھر تو ان لوگوں کو اس آندھی میں دیکھتا تو انہیں ایسا گرا ہوا پاتا جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے''۔

اگرچہ لوگوں کو بار بار متنبہ کیا گیا تھا مگر انہوں نے انبیاء کی دعوت پر کوئی توجہ نہ دی۔ وہ اتنے بڑے مغالطے میں گرفتار تھے کہ جب تباہی عین ان کے سر پر آ پہنچی تب بھی انہیں اصلاح احوال کا کوئی خیال نہ آیا اور وہ اپنے انکار پر جمے رہے:

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌo (الاحقاف۔۲۴)

''پھر جب انہوں نے دیکھا کہ ایک بادل سامنے سے ان کی وادیوں کی طرف چلا آ رہا ہے بولے کہ یہ گھٹا ہے جو ہم پر خوب برسے گی۔ بلکہ وہ عذاب ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے۔ آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے''۔

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں نے بادل دیکھا جس میں عذاب تھا مگر وہ سمجھ نہ سکے اور اسے بارش کا بادل تصور کرتے رہے۔ یہ آیت اس منظر کو بیان کرتی ہے کہ ان پر کس طرح عذاب آیا۔ ریت کے بڑے بڑے بگولے بھی دور سے بارش والے بادلوں ہی کی طرح لگتے ہیں یہ عین ممکن ہے کہ عاد نے اسی مماثلت سے دھوکا کھایا ہو اور عذاب کو سمجھ نہ سکے ہوں۔ ڈوئے (Doe) اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں اس طرح کے ریت کے طوفان کے بارے میں لکھتا ہے:

''اس طرح کے طوفان کی پہلی علامت گرد و غبار کی ایک دیوار ہے جو کئی فٹ تک بلند ہو سکتی ہے اور اس میں تند و تیز ہوائیں ہوتی ہیں''۔

اب عاد کے آثار ''عبار'' کو کئی میٹر گہری ریت کی تہہ کو کھود کر دریافت کیا گیا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ قرآن حکیم کے بیان کے مطابق آٹھ دن اور سات رات تک چلنے والی ریتلی ہواؤں نے اس شہر کو کئی ٹن ریت میں دبا دیا اور لوگ زندہ درگور ہو گئے۔

عبار میں ہونے والی کھدائیاں بھی اس امر کی تصدیق کرتی ہیں۔ فرانسیسی رسالہ Ca (M'Interesse) لکھتا ہے کہ عبار کا شہر طوفان کے نتیجے میں ۱۲ میٹر موٹی ریت کی تہہ کے نیچے دب گیا۔

عاد کے ریت میں دفن ہو جانے کا ایک اہم ثبوت عاد کے شہر کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں استعمال ہونے والا لفظ احقاف ہے:

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍo (الاحقاف۔۲۱)

''اور ان سے قوم عاد کے بھائی کا ذکر کیجیے۔ جب انہوں نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا۔ اور ان سے پہلے اور ان کے بعد بھی ڈرانے والے گزر چکے تھے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ مجھے ڈر ہے کہیں تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آ جائے''۔

احقاف، حقف کی جمع ہے۔ اور عربی زبان میں اس سے مراد ریت کے ٹیلے ہیں۔ گویا عاد ریت کے ٹیلوں والے علاقے میں رہتے تھے۔ اور اس طرح بڑا واضح ثبوت سامنے آتا ہے کہ ان کی ہلاکت ریت میں دفن ہونے سے ہوئی ہو گی۔ ایک توضیح کے مطابق کثرت استعمال سے احقاف اپنے اصل معنی کے بجائے اس

شہر اور علاقے کا نام پڑ گیا جہاں عاد رہتے تھے۔ مگر اس سے اس بنیادی حقیقت کی نفی نہیں ہوتی کہ وہ ریت کا علاقہ نہ تھا بلکہ اس تصور کو زیادہ تقویت ملتی ہے کہ یہ علاقہ ریت کے ٹیلوں کے لیے مشہور تھا۔

طوفان سے عاد پر اس طرح تباہی آئی کہ وہ کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح اکھڑ کر رہ گئے۔ اس طرح وہ لوگ جو زمینوں کی کاشت، ڈیموں کی تعمیر، آبپاشی اور دوسری سرگرمیوں میں مصروف تھے یک لخت تباہ کر دیے گئے۔ تمام قابل کاشت علاقے، آبپاشی کی نہریں اور ڈیم وغیرہ ریت میں دفن ہو گئے اور پورا شہر مع اپنے باسیوں کے ریت میں گم ہو گیا۔ شہر کی تباہی کے بعد وہاں صحرا اپھیل گیا اور ان کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔

گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ تاریخی اور آثار قدیمہ کے شواہد بتاتے ہیں کہ عاد اور شہر ارم جن کی تباہی کا ذکر قرآن حکیم میں آیا، وجود رکھتے تھے۔ بعد کی تحقیقات سے ان لوگوں کے آثار ریت سے دریافت کیے گئے۔

ریت میں دفن ان آثار سے وہ عبرت اخذ کرنے کی ضرورت ہے جس کی طرف قرآن حکیم بار بار متوجہ کرتا ہے۔ عاد سرکشی اور گمراہی کے سبب سے راہ حق سے منحرف ہو گئے تھے۔ سو ان پر عذاب آیا۔ ارشاد ربانی ہے: (اب) کون ہے جو قوت واقتدار میں برتر ہے؟۔ اس آیت میں آگے فرمایا گیا: کیا انہوں نے اس پر غور نہ کیا کہ اللہ جس نے انہیں پیدا کیا ہے ان سے طاقت واقتدار میں برتر و اعلیٰ ہے؟ (فصلت۔ ۵۱)

ان تمام تاریخی حقائق کا حاصل یہ ہے کہ انسان اس ناقابل تردید اور ابدی حقیقت کو ہمیشہ کے لیے اپنی لوح دل پر نقش کر لے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عظیم، برتر اور غالب ہستی ہے اور انسان کی فلاح اسی میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق بندگی کو مستحکم کرے۔

باب پنجم

قوم ثمود کے حالات

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ○ فَقَالُوْآ اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ○ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ م بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ○ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ○

(القمر۔۲۳۔۶۲)

''ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ پھر (صالحؑ سے متعلق) کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے ہی جیسے ایک انسان کی پیروی کریں جو تنہا ہے۔ بے شک ہم بڑی حماقت اور پاگل پن میں پڑ جائیں۔

کیا ہم سب میں سے اس پر وحی نازل ہوتی ہے؟

بلکہ وہ جھوٹا ہے اور اپنی بڑائی آپ کرتا ہے۔

ان کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا شیخی مارنے والا ہے''۔

جیسا کہ مندرجہ بالا آیات میں بیان ہوا، قومِ ثمود نے بھی اللہ کی تنبیہ پر غور نہ کیا اور پیغمبرانہ دعوت کو جھٹلایا۔ نتیجتاً وہ بھی قوم عاد کی طرح تباہی سے دوچار ہوئے۔ دورِ جدید کی تاریخ اور آثار قدیمہ سے متعلق تحقیقات نے قوم ثمود کے رہن سہن، علاقے اور ان کی دیگر تفصیلات کو، جو اس سے پہلے معلوم نہ تھیں، روشن کر دیا ہے۔ آج کی ماہرین آثار قدیمہ کی تحقیقات کے مطابق قوم ثمود تاریخی وجود رکھنے والی قوم ثابت ہو چکی ہے۔

قبل اس کے کہ قوم ثمود سے متعلق آثارِ قدیمہ کی تحقیقات کی تفصیل بیان کی جائے، ان کی اپنے انبیاء سے آویزش کی داستان جو قرآن حکیم نے بیان کی، بیان کی جاتی ہے۔ چونکہ قرآن حکیم کا خطاب ہر دور اور ہر قوم کے لیے ہے، سو قرآن حکیم قوم ثمود کے انکار اور انجام کو ہر زمانے کے لوگوں کے لیے ایک درس عبرت کے طور پر پیش کرتا ہے۔

حضرت صالحؑ کی تبلیغی کاوشیں:

قرآن حکیم کے مطابق حضرت صالحؑ کو قوم ثمود کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ آپ قوم ثمود کے ایک جانے پہچانے اور نامور فرد تھے۔ آپ کی قوم جو آپ سے دین حق کی دعوت کی توقع نہ رکھتی تھی، آپ سے کفر و شرک ترک کرنے کا اعلان سن کر حیرت میں پڑ گئی۔ ابتداءً آپ کی قوم نے آپ پر بہتان طرازی اور الزام تراشی شروع کی:

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا م قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ط هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ط اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ○ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ○

(ہود۔۱۶۔۲۶)

''اور (ہم نے) قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اس

نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں تم کو بسایا۔ پس اس سے گناہ بخشواؤ پھر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ بے شک میرا رب قریب ہے، قبول کرنے والا ہے۔ انہوں نے کہا ہے اے صالح! اس سے قبل ہم کو تم سے بڑی امیدیں تھیں۔ کیا تم ہمیں ان چیزوں کی پرستش سے منع کرتے ہو جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں اور جس بات کی طرف تم بلا رہے ہو اس کے بارے میں بڑے شبہ میں پڑے ہیں"۔

اس معاشرے کے ایک مختصر سے حصے نے حضرت صالحؑ کی دعوت قبول کی جبکہ اکثریت نے انکار کر دیا۔ اس قوم کے بڑے سرداروں نے خصوصاً حضرت صالحؑ کی دعوت کو رد کیا اور آپ سے دشمنی پر مبنی رویہ اختیار کر لیا۔ انہوں نے حضرت صالحؑ پر ایمان لانے والوں کو تنگ کرنا اور ظلم و ستم کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ وہ حضرت صالحؑ کی جان کے دشمن بن گئے کیونکہ آپ نے انہیں گمراہی ترک کر کے ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی تھی۔ اللہ کے نبی پر غیظ و غضب کرنا صرف قوم ثمود کا ہی عمل نہ تھا بلکہ قوم ثمود وہی غلطی دہرا رہی تھی جو اس سے قبل قوم نوح اور قوم عاد کر چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم ان تینوں قوموں کا تذکرہ یوں کرتا ہے:

اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ ط وَ الَّذِیۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ ط لَا یَعۡلَمُہُمۡ اِلَّا اللّٰہُ ط جَآءَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَرَدُّوۡۤا اَیۡدِیَہُمۡ فِیۡۤ اَفۡوَاہِہِمۡ وَ قَالُوۡۤا اِنَّا کَفَرۡنَا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِہٖ وَ اِنَّا لَفِیۡ شَکٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَنَاۤ اِلَیۡہِ مُرِیۡبٍ ○ (ابراہیم۔۹)

"کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یعنی قومِ نوح اور قومِ عاد اور قومِ ثمود۔ اور جو ان کے بعد ہوئی ہیں۔ ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں لوٹا لیے (یعنی بیزاری کا اظہار کیا) اور کہا جو تم (اللہ کی طرف سے) دے کر بھیجے گئے ہم نے اس کا انکار کیا۔ اور ہم کو تو اس میں بڑا شبہ ہے جس کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو جو ہم کو تردد میں ڈالے ہوئے ہے"۔

حضرت صالحؑ کی پے درپے نصیحتوں کے باوجود وہ قوم شک و شبہ میں ہی پڑی رہی۔ تاہم اس گمراہ قوم میں ایک مختصر گروہ ایسا بھی تھا جو حضرت صالحؑ کی نبوت پر ایمان رکھتا تھا۔ جب اس قوم پر عظیم عذاب آیا تو اہلِ ایمان اس عذاب سے محفوظ رہے۔ قومِ ثمود کے سرداروں نے حضرت صالحؑ پر ایمان لانے والوں کو ظلم و ستم سے دبانے کی کوشش کی:

قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِہٖ لِلَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِمَنۡ اٰمَنَ مِنۡہُمۡ اَتَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرۡسَلٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ ط قَالُوۡۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلَ بِہٖ مُؤۡمِنُوۡنَ ○ قَالَ الَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡۤا اِنَّا بِالَّذِیۡۤ اٰمَنۡتُمۡ بِہٖ کٰفِرُوۡنَ ○

(الاعراف۔۷۵۔۷۶)

"ان کی قوم میں جو متکبر سردار تھے وہ ان غریب لوگوں سے جو ایمان لا چکے تھے کہنے لگے کیا تم کو یقین ہے کہ صالح اپنے رب کے بھیجے ہوئے رسول ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم تو اس پر جو وہ لائے ایمان رکھتے ہیں۔

وہ متکبر لوگ کہنے لگے بے شک ہم تو اس (دین) کو نہیں مانتے جس پر تم ایمان لائے ہو"۔

اہل ایمان کی استقامت کے باوجود قومِ ثمود اللہ اور حضرت صالحؑ کی رسالت کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا رہے۔ حتیٰ کہ ایک گروہ نے ببانگِ دُہل حضرت صالحؑ کی تکذیب شروع کر دی۔ آپ کی اور اللہ کی توحید کی تکذیب کرنے والے اس گروہ نے آپ کو قتل کرنے کی سازش شروع کر دی:

قَالُوا اطَّیَّرۡنَا بِکَ وَ بِمَنۡ مَّعَکَ ط قَالَ طٰٓئِرُکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ تُفۡتَنُوۡنَ ○ وَ کَانَ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ تِسۡعَۃُ رَہۡطٍ یُّفۡسِدُوۡنَ ○ قَالُوۡا تَقَاسَمُوۡا بِاللّٰہِ لَنُبَیِّتَنَّہٗ وَ اَہۡلَہٗ ثُمَّ لَنَقُوۡلَنَّ لِوَلِیِّہٖ مَا شَہِدۡنَا مَہۡلِکَ اَہۡلِہٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ○ وَ مَکَرُوۡا مَکۡرًا وَّ مَکَرۡنَا مَکۡرًا وَّ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ○ (النمل۔۴۷۔۵۰)

"انہوں نے جواب دیا صالح! ہم تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تمہاری ہر نحوست (کا سبب) اللہ کے علم میں ہے۔ بلکہ تم وہ لوگ ہو جن کی آزمائش ہو رہی ہے۔

اور شہر میں نو شخص (ایسے) تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے رہتے اور اصلاح نہ کرتے تھے۔

(انہوں نے) کہا کہ آپس میں قسم کھاؤ کہ ہم رات کو اس پر اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے اور پھر ان کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہم تو ان کے گھر والوں کی ہلاکت کے وقت موجود نہ تھے اور بے شک ہم سچ کہتے ہیں۔

اور انہوں نے ایک خفیہ سازش کی۔ اور ہم نے بھی ایک خفیہ تدبیر کی اور ان کو خبر بھی نہ ہوئی"۔

لوگوں کو اپنی دعوت پر یقین اور اللہ کی اطاعت کی رغبت دلانے کے لیے حضرت صالحؑ نے انہیں اونٹنی کا معجزہ دکھایا۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ کیا لوگ آپ کی اطاعت کرتے ہیں یا نہیں، آپ نے انہیں کہا کہ وہ اونٹنی کو پانی میں شریک کریں اور اسے تکلیف نہ دیں۔ گمراہ لوگوں نے اطاعت کی بجائے اونٹنی کو قتل کر دیا۔

سورۃ الشعراء میں یہ واقعہ یوں بیان کیا گیا:

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ o اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ o اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ o فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ o وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ o فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ o وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ o وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ o فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ o وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ o
الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ o قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ o مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ o قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ
شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ o وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ o فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ o (الشعراء۔۱۴۱۔۷۵۱)

"قوم ثمود نے پیغمبروں کی تکذیب کی۔

جب ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟

میں تمہارے لیے ایک امانت دار پیغمبر ہوں۔

پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

اور میں تم سے اس کا کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ میرا اجر تو میرے رب کے ذمہ ہے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔

کیا جو چیزیں تم کو یہاں میسر ہیں تم ان میں بے فکر رہے چھوڑ دیے جاؤ گے؟

باغوں اور چشموں میں۔

اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن میں نرم نرم کونپلیں پھوٹ رہی ہیں

اور تم پہاڑوں میں پر تکلف گھر تراشتے ہو۔

پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

اور بے باک حد سے تجاوز کرنے والے لوگوں کا کہنا نہ مانو۔

جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

لوگوں نے کہا: ضرور تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔

تم بھی ہم جیسے ایک آدمی ہو۔ پس اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو۔

صالح نے فرمایا: یہ اونٹنی ہے۔ اس کے پانی پینے کی باری اور تمہارے پانی پینے کی باری مقرر ہے۔

اور اس کو کوئی تکلیف نہ دینا ورنہ تم کو ایک بڑے دن کا عذاب آ پکڑے گا۔

(لیکن وہ نہ مانے) پھر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر انہیں صبح کو پچھتانا پڑا"۔

حضرت صالحؑ نے اپنی قوم کو راہ ہدایت کی طرف راغب کرنے کے لیے کتنی جدوجہد فرمائی، قرآن حکیم اسے یوں بیان کرتا ہے:

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ○ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ○ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ م بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ○ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ○ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ○ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ○ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ○ (القمر۔۳۲۔۹۲)

"ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔

پھر کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے ہی جیسے ایک انسان کی پیروی کریں جو تنہا ہے۔ بے شک ہم بڑی حماقت اور پاگل پن میں پڑ جائیں۔

کیا ہم سب میں سے اس پر وحی نازل ہوئی ہے؟ بلکہ وہ جھوٹا ہے اور اپنی بڑائی آپ کرتا ہے۔

ان کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا شیخی مارنے والا ہے۔

ہم ان کو آزمائش کے لیے ایک اونٹنی بھیجتے ہیں۔ پھر تم انہیں دیکھتے رہنا اور صبر سے کام لینا۔

اور ان کو آگاہ کر دینا کہ ان کے درمیان پانی کی تقسیم کر دی گئی ہے۔ سب اپنی اپنی باری پر حاضر ہوا کریں گے۔

پھر انہوں نے اپنے رفیق کو بلایا تو اس نے اس اونٹنی پر وار کیا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں (اور وہ ہلاک ہوگئی)"۔

جب مسلسل گمراہی اور خودسری کے باوجود قومِ ثمود پر گرفت نہ ہوئی تو وہ مزید گستاخ ہوگئے۔ انہوں نے حضرت صالحؑ پر حملہ کر دیا اور انہیں جھوٹ اور کذب وافتراء کا مرتکب قرار دے دیا:

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ (الاعراف۔۷۷)

"آخر انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی۔ اور کہنے لگے اے صالح! جس (عذاب) سے تم ہمیں ڈراتے تھے اگر تم اللہ کے رسول ہو تو وہ لے آؤ"۔

مگر اللہ کی تائید و نصرت حضرت صالحؑ کے ہمراہ تھی۔ کفار و مشرکین کے ناپاک منصوبے ناکام ہوگئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت صالحؑ کو ان کی سازشوں سے محفوظ رکھا۔ مختلف طریقوں سے دعوت حق اپنی قوم کے سامنے رکھنے کے بعد جب حضرت صالحؑ نے دیکھا کہ ان میں سے کوئی بھی رجوع الی الحق پر تیار نہیں تو آپ نے انہیں خبردار کیا کہ وہ تین دنوں کے اندر اندر ہلاک کر دیے جائیں گے۔

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ط ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ○ (ہود۔۵۶)

"پھر (قوم نے) اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تب (صالح نے) کہا کہ تم تین دن تک اپنے گھروں میں زندگی سے فائدہ حاصل کر لو (پھر عذاب میں گرفتار ہو گے) یہ (اللہ کا) وعدہ ہے جو کبھی جھوٹا نہیں ہوتا"۔

تین دن کے بعد حضرت صالحؑ کا فرمان سچ ثابت ہوا اور قومِ ثمود تباہ و برباد کر دی گئی:

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ○ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ط اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ط اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ○

(ہود۔۶۷۔۸۶)

"اور جو لوگ ظلم کرتے تھے ان کو ایک ہولناک آواز نے آپکڑا پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا وہ کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے۔ سن لو کہ ثمود نے اپنے پروردگار سے کفر کیا۔ سن لو کہ ثمود پر پھٹکار ہے"۔

آثارِ قدیمہ اور قومِ ثمود:

قرآن حکیم میں مذکور سابقہ اقوام سے ثمود وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں آج ہمیں کافی معلومات میسر ہیں۔ تاریخی شواہد ماضی میں ثمود کی موجودگی کی

تصدیق کرتے ہیں۔

قرآن حکیم میں مذکورہ ''اصحاب الحجر'' اور ثمود کو ایک ہی قوم سمجھا جاتا ہے۔ یعنی ثمود کا دوسرا نام ''اصحاب الحجر'' ہے۔ یعنی ثمود تو قوم کا نام ہے اور ''الحجر'' اس شہر کا نام جو ان لوگوں نے بنایا۔ یونانی جغرافیہ دان پلائنی (Pliny) کی تفصیلات اس کی تائید کرتی ہیں۔ پلائنی (Pliny) کی تحریروں کے مطابق ڈوماتھا (Domatha) اور حجرا (Hegra) وہ جگہیں تھیں جہاں قوم ثمود رہتی تھی۔ حجرا (Hegra) ہی بعد میں ''شہر حجر'' بن گیا۔

ثمود سے متعلق قدیم ترین تاریخی حوالہ، بابل بادشاہ، سرگون دوم (۸۰۰ق م) کی شمالی عرب میں مہمات کے دوران ان سے لڑائی میں انہیں شکست دینے کی تفصیلات ہیں۔ یونانیوں کے ہاں ارسطو، بطلیموس اور پلائنی کی تحریروں میں انہیں تیمودائی (Tamudaei) یعنی ثمود کہا گیا ہے۔ حضور اکرم کی بعثت مبارکہ سے پہلے تقریباً ۴۰۰۔۶۰۰ عیسوی میں یہ لوگ کلیتاً ختم ہو گئے۔

قرآن حکیم میں عاد اور ثمود کا اکٹھا ذکر کیا گیا ہے۔ اکثر مقامات پر ثمود کو عاد کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ گویا ثمود کو عاد کے بارے میں کافی معلومات حاصل تھیں۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًام قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗط قَدْ جَآءَتْکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْط ھٰذِہٖ نَاقَۃُ اللّٰہِ لَکُمْ اٰیَۃً فَذَرُوْھَا تَاْکُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰہِ وَلَا تَمَسُّوْھَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَکُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌo وَاذْکُرُوْٓا اِذْ جَعَلَکُمْ خُلَفَآءَ مِنْم بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَکُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُھُوْلِھَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًاج فَاذْکُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰہِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَo (الاعراف۔۷۔۷۳۔۷۴)

''اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ صالح نے کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ بے شک تمہارے رب کی طرف سے دلیل آچکی۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے پس اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھائے اور تم اس کو بری نیت سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں دردناک عذاب آپکڑے گا۔

اور یاد کرو جب اللہ نے عاد کے بعد تمہیں ان کا جانشین کیا اور تم کو زمین پر آباد کیا اور نرم زمین میں تم محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت مچاتے پھرو''۔

جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے عاد اور ثمود میں تعلق موجود ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ عاد ثمود ہی کی تاریخ اور تہذیب کا حصہ ہوں۔ حضرت صالحؑ نے اپنی قوم کو یاد دلایا کہ وہ عاد کے حالات پر غور کریں اور ان سے سبق حاصل کریں۔

اس طرح عاد کو قومِ نوح کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی گئی تھی یعنی جس طرح عاد، قومِ ثمود کے لیے تاریخی حوالہ تھا اس طرح قومِ نوح عاد کے لیے تھی۔ یہ لوگ ایک دوسرے سے آگاہ تھے اور شاید ایک ہی نسل کا تسلسل تھے۔

قرآن حکیم میں مذکورہ ان واقعات کی تاریخی ترتیب مرتب کی جاسکتی ہے۔ اگر ہم اس حقیقت کو قبول کرلیں کہ قومِ ثمود کا زمانہ ۸ویں صدی قبلِ مسیح ہے تو اس بنیاد پر بقیہ اقوام کا تاریخی تعیّن ممکن ہے۔ قومِ نوح کی تباہی کے بعد جو قوم سب سے پہلے عذاب میں گرفتار ہوئی، قومِ لوط تھی۔ پھر حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں فرعون (جو غالب امکان ہے کہ رامیسس دوم تھا) اور اس کی فوج کے بحیرۂ احمر میں ڈوبنے کا واقعہ پیش آیا۔ اس کے بعد قومِ عاد پر تباہ کن طوفان آیا۔ اور پھر قومِ ثمود کی تباہی کا واقع پیش آیا۔ سب سے پہلے قومِ نوح کی تباہی عمل میں آئی۔ اگر اس ترتیب کو مدّنظر رکھا جائے تو ان اقوام کی تاریخی ترتیب اس طرح بنتی ہے:

حضرت نوحؑ ۲۵۰۰۔۳۰۰۰ق م

حضرت ابراہیمؑ و لوطؑ ۲۰۰۰ق م کا آغاز کا زمانہ

حضرت موسیٰؑ ۱۳۰۰ق م

حضرت ہودؑ اور قوم عاد ۱۳۰۰۔؟ق م

حضرت صالحؑ اور قوم ثمود ۸۰۰۔؟ق م

اگرچہ اس تاریخی ترتیب کو بالکل درست قرار نہیں دیا جا سکتا مگر قرآن حکیم اور دوسرے موجود تاریخی مواد کی روشنی میں کم از کم واقعات کی ترتیب یہی ہے۔

ہم پہلے بھی یہ بیان کر چکے ہیں کہ قرآن حکیم عاد اور ثمود میں تعلق کو بیان کرتا ہے۔ ثمود کو عاد کے انجام سے سبق حاصل کرنے کی تلقین کی گئی۔ تاہم عاد اور ثمود کے شہر اور جائے رہائش ایک دوسرے سے بالکل الگ اور دور تھے۔ ظاہر اً تو ان میں کوئی رابطہ نظر نہیں آتا تو پھر قرآن حکیم میں ثمود کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں قومِ عاد کیوں یاد دلائی گئی؟

اگر تھوڑی تحقیق کی جائے تو حقیقت الم نشرح ہو جاتی ہے۔ عاد اور ثمود میں جغرافیائی فاصلہ مبہم ہے۔ تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ ثمود اور عاد میں بڑے قوی روابط تھے۔ ثمود عاد کو اچھی طرح جانتے تھے کیونکہ یہ دونوں اقوام ایک ہی اصل سے تعلق رکھتی تھیں۔ ثمود کے حقوق کے تحت ان اقوام کی تفصیل برٹانیکا مائیکروپیڈیا (Britannica Micropaedia) اس طرح بیان کرتا ہے:

"ثمود قدیم عرب میں چوتھی صدی ق م سے ساتویں صدی عیسوی کے پہلے نصف تک کا ایک معروف قبیلہ یا گروہ تھا۔ اگرچہ ثمود کا آغاز جنوبی عرب سے ہوا مگر ابتدائی زمانے ہی میں ان کا ایک بڑا حصہ شمال کی طرف سفر کر گیا اور جبلِ اثلب (Athlab) کے دامن میں قیام پذیر ہوا۔ حالیہ تحقیقات اور آثارِ قدیمہ کی دریافتوں سے ثمودی دور کی پتھروں پر تحریریں اور تصاویر جبلِ اثلب اور وسطِ عرب کے اکثر علاقوں میں سامنے آتی ہیں"۔

سامی حروف میں ثمودی طرزِ تحریر پر مشتمل مختلف تحریریں شمالی اور پورے حجاز میں نظر آتی ہیں۔ یہ رسم الخط سب سے پہلے وسطی یمن کے شمال میں دریافت کیا گیا اور اسے ثمودی رسم الخط قرار دیا گیا ہے۔ یہ علاقہ ربع الخالی کے شمال سے حضر موت کے جنوب اور شبوہ کے مغرب تک پھیلا ہوا ہے۔

اس سے قبل ہم دیکھ چکے ہیں کہ عاد جنوبی عرب میں رہتے تھے۔ یہ بہت اہم بات ہے کہ ثمود کے کچھ آثار عاد کے علاقے خصوصاً حضر موت کے ارد گرد کے علاقوں میں بھی موجود ہیں۔ یہی وہی جگہ ہے جہاں عاد کے اخلاف قیام پذیر تھے اور اس کا دار الحکومت بھی یہیں واقع تھا۔ یہ صورتِ حال قرآن حکیم میں بیان کردہ عاد ثمود تعلقات و روابط کی وضاحت کرتی ہے۔ اسی تعلق کو حضرت صالحؑ نے ثمود کو عاد کے اخلاف قرار دیتے ہوئے یوں بیان کیا:

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا م قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ط قَدْ جَآءَتْکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ ط ھٰذِہٖ نَاقَۃُ اللّٰہِ لَکُمْ اٰیَۃً فَذَرُوْھَا تَاْکُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰہِ وَلَا تَمَسُّوْھَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَکُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ O وَاذْکُرُوْٓا اِذْ جَعَلَکُمْ خُلَفَآءَ مِنْم بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَکُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُھُوْلِھَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ج فَاذْکُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰہِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ O (الاعراف۔۷۔۷۳۔۷۴)

"اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔ (صالحؑ نے) کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ بے شک تمہارے رب کی طرف سے دلیل آ چکی۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے پس اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھائے اور تم اس کو بری نیت سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں دردناک عذاب آ پکڑے گا۔

اور یاد کرو جب اللہ نے عاد کے بعد تمہیں ان کا جانشین کیا اور تم کو زمین پر آباد کیا اور نرم زمین میں تم محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت مچاتے پھرو"۔

المختصر، ثمود کو اپنے پیغمبر کی دعوت مسترد کرنے اور گمراہی و سرکشی کی قیمت ادا کرنا پڑی اور انجام کار وہ تباہی سے دوچار ہوئے۔ وہ عظیم گھر اور عمارتیں جو

انہوں نے تعمیر کی تھیں اور ملک میں جو فن کے نمونے انہوں نے تخلیق کیے تھے، انہیں اس عذاب سے نہ بچا سکے۔ ثمود بھی اسی طرح سخت ترین عذاب سے دوچار کیے گئے جس طرح ان سے پہلی اور بعد میں آنے والی باغی اور سرکش اقوام عذاب میں گرفتار ہوئیں۔

باب ششم

غرقاب ہونیوالے فرعون کا تذکرہ

کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ لا وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ط کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ فَاَھْلَکْنٰھُمْ بِذُنُوْبِھِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ج وَکُلٌّ کَانُوْا ظٰلِمِیْنَ O

(الانفال۔۵۴)

"(جھٹلانے والوں کا حال ایسا ہی ہوا) جیسا حال فرعون کے لوگوں اور ان سے قبل کے لوگوں کا ہوا۔ انہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو جھٹلایا۔ پس ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیا اور فرعون کے لوگوں کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھے۔

قدیم مصری تہذیب، اور اس کے دور میں قائم ہونے والی وادی دجلہ وفرات کی شہری ریاستیں دنیا کی قدیم ترین تہذیبیں اور منظم ریاستیں تصور کی جاتی ہیں جن کا سماجی نظام بہت ہی ترقی یافتہ تھا۔ ان لوگوں نے تین ہزار سال قبل مسیح میں لکھنا سیکھ لیا تھا اور وہ دریائے نیل کا اپنی قومی معاشی سرگرمیوں کے لیے استعمال اور بیرونی خطرات سے اپنے ممالک کے بچاؤ کی تدابیر سے بھی آگاہ تھے۔ اس طرح مصریوں کی تہذیب بہت ہی ترقی یافتہ تہذیب بن گئی تھی۔

مگر یہی وہ "مہذب" سماج تھا جہاں عرصہ دراز تک فراعین کا دور اقتدار رہا جسے قرآن حکیم نے بڑے ہی واضح اور مبرہن انداز سے کفر اور ظلم کا نظام قرار دیا ہے۔ وہ دعوت حق کے مقابل غرور، تکبر، سرکشی اور گستاخی کے رویے کے مرتکب ہوئے۔ جس کے نتیجے میں نہ ہی ان کی اعلیٰ ترقی یافتہ تہذیبیں، سماجی و سیاسی نظام اور نہ ہی ان کی عسکری طاقت انہیں تباہی سے بچا سکی۔

فراعین کا اقتدار

مصری تہذیب کا دارومدار دریائے نیل کی زرخیزی پر تھا۔ آبپاشی کی سہولیات کے سبب مصریوں کی اکثریت وادئ نیل میں آباد تھی اس طرح وہ بارش پر انحصار کیے بغیر اپنی زمین کو دریائے نیل کے پانی سے کاشت کر سکتے تھے۔ معروف مورخ ارنسٹ ایچ گومبرچ (H.Gombrich Ernst) کے مطابق افریقہ بہت ہی گرم علاقہ ہے اور بعض اوقات مہینوں تک یہاں بارش نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے اس وسیع براعظم کے اکثر علاقے سخت خشک ہیں۔ یہ علاقے وسیع صحراؤں پر مشتمل ہیں۔ دریائے نیل کے دونوں اطراف بھی صحراؤں پر مشتمل ہیں اور مصر میں بارشیں کم و بیش ہی ہوتی ہیں۔ مگر اس ملک میں

بارشوں کی اتنی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ پورے ملک کے درمیان سے دریائے نیل بہتا ہے۔

دریائے نیل کی اس مرکزی حیثیت کی وجہ سے جو بھی اس کا کنٹرول حاصل کرے اسے مصر کی معیشت اور زراعت کے بڑے حصے کا کنٹرول میسر آجاتا ہے۔ فراعینِ مصر نے ملک پر اسی طرح کنٹرول حاصل کیا تھا۔ وادیٔ نیل کی تنگ اور عمودی ساخت کی وجہ سے لوگ یہاں اپنے رہائشی گھر زیادہ پھیلا نہیں سکتے تھے۔ اس طرح مصریوں نے اپنے رہن سہن کے لیے بڑے گھروں کے بجائے چھوٹے چھوٹے قصبات اور گاؤں بنا رکھے تھے۔ اس عنصر کی وجہ سے بھی فراعین کا اپنے عوام پر اقتدار اور کنٹرول مزید مستحکم ہو گیا تھا۔

شاہ مینیس (King Menes) کو قدیم مصر کا پہلا فرعون تصور کیا جاتا ہے۔ اس نے تاریخ میں پہلی بار ۳۰۰۰ ق م میں پورے مصر کو متحد کیا تھا۔ فرعون کی اصطلاح کا اطلاق فی الاصل اس محل پر ہوتا تھا جس میں مصری بادشاہ رہتا تھا مگر مرورِ ایّام کے ساتھ یہ خود بادشاہ کا لقب بن گیا۔ اس طرح عظیم مصری حکمرانوں نے خود کو فرعون کہلانا شروع کر دیا۔

ملک کے مالک، منتظم اور حکمران ہونے کی وجہ سے فراعین کو قدیم مصر کے مسخ شدہ مشرکانہ مذہب میں سب سے بڑے دیوتا کا مظہر سمجھا جاتا تھا۔ قدیم مصری زمینوں کا انتظام، ان کی آمدن کا نظم و نسق، ریاستی معاملات اور دیگر امورِ مملکت فرعون کے زیرِ اقتدار ہی چلائے جاتے تھے۔

فراعین کو حاصل مطلق اقتدار کی وجہ سے وہ ملک میں مختارِ کل تھے اور جو چاہتے کر سکتے تھے۔ فراعین کے اقتدار کے آغاز یعنی شاہ مینِس کے زمانے سے ہی جس نے بالائی اور زیریں مصر کو متحد کر کے عظیم مصری سلطنت قائم کی تھی، دریائے نیل کے پانی کی عوام تک شہروں کے ذریعے رسائی کا انتظام کر دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی تمام ریاستی پیداوار کو حکومتی کنٹرول میں لے لیا گیا تھا۔ تمام اجناس کی پیداوار بادشاہ کے تصرف میں تھی۔ وہی رعایا میں حسبِ تناسب تقسیم کرتا تھا۔ ملک میں اتنے بااختیار بادشاہ کے لیے یہ امر محال نہ تھا کہ وہ عوام کو ہر لحاظ سے اپنا مطیع بنا لیتا۔ مصری بادشاہ، فرعون ایک مقدس ہستی تصور کیا جاتا تھا جو لوگوں کی ہر طرح ضروریات کا کفیل تھا۔ اس طرح اسے دیوتا کا درجہ حاصل ہو چکا تھا۔ اس طرح بتدریج فراعین اپنے آپ کو دیوتا سمجھنے لگے تھے۔

قرآن حکیم میں مذکورہ فرعون کے کچھ مکالمات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فراعین اسی طرح کا عقیدہ رکھتے تھے۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر تم میرے علاوہ کسی اور خدا کا ذکر کرو گے تو میں تمہیں قید کر دوں گا (الشعراء: ۲۹) اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے مصاحبوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں اپنے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں دیکھتا (القصص: ۳۸)۔ فرعون کی اس گفتگو سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خود کو اہل مصر کا خدا تصور کرتا تھا۔

مذہبی عقائد

مورخ ہیروڈوٹس (Herodotus) کے مطابق قدیم مصری بہت ہی "پارسا" لوگ تھے مگر ان کا مذہب دینِ حق نہ تھا بلکہ گمراہ کن مشرکانہ مذہب تھا۔ مگر وہ اپنی انتہائی رجعت پسندی کی وجہ سے اسے ترک نہ کر سکے تھے۔

قدیم مصری اس قدرتی ماحول سے، جس میں وہ رہ رہے تھے بہت ہی متاثر تھے۔ مصر کا قدرتی جغرافیہ بیرونی حملہ آوروں سے تحفظ کا موزوں ذریعہ تھا۔ مصر سب طرف سے صحراؤں، پہاڑوں اور سمندروں سے گھرا ہوا تھا۔ مصر پر کسی بھی حملے کے دو ہی ممکن راستے تھے جہاں سے مصری بڑی آسانی سے اپنا دفاع کر سکتے تھے۔ انہیں قدرتی عوامل کی وجہ سے مصری بیرونی دنیا سے الگ تھلگ تھے۔ مگر صدیوں پر محیط اس علیحدگی اور تنہائی نے انہیں متعصب قوم بنا دیا تھا۔ اس طرح مصریوں کے زاویۂ نگاہ میں کسی بھی نئی ترقی یا دریافت کے جگہ پانے کا کوئی امکان نہ تھا۔ مزید یہ کہ وہ اپنے مذہب سے وابستگی کے حوالے سے بہت ہی متشدد تھے۔ قرآن حکیم کے الفاظ میں "آباء واجداد کا مذہب" ان کی سب سے اہم حیاتی قدر بن چکا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ جب حضرت موسیٰؑ ان کے پاس دعوت حق لے کر آئے تو فرعون اور اس کے درباریوں نے اسے یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیا:

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ط وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ o (یونس۔۷۸)

''وہ بولے کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں اس راہ سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔اور ملک میں تم دونوں کی سرداری ہو جائے۔اور ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں''۔

قدیم مصر کا مذہب کئی شاخوں میں منقسم تھا۔ان میں سب سے اہم ریاستی مذہب، لوگوں کے عقائد اور ان کا عقیدۂ حیات بعد الموت تھا۔ریاستی و حکومتی مذہب کے مطابق فرعون ایک مقدس ہستی تھا۔وہ زمین پر لوگوں کے لیے خدا کا مظہر تھا، اور اس کا منصب لوگوں کو انصاف کی فراہمی اور انہیں ظلم سے محفوظ رکھنا تھا۔

لوگوں کے عمومی عقائد بہت ہی پیچیدہ تھے۔ان کے عقائد کے دو پہلو جو ریاستی مذہب سے متصادم ہوتے، فرعون وقت کی اقتدار کی طاقت سے دبا دیے جاتے تھے۔بنیادی طور پر لوگ کئی خداؤں پر یقین رکھتے تھے اور ان خداؤں کا مظاہرہ انسانی دھڑ پر جانوروں کے سروں سے کیا جاتا تھا۔ان عقائد کے ساتھ ساتھ کئی مقامی روایات بھی مذہب کا حصہ تھیں جو ایک علاقے سے دوسرے تک بدلتی چلی جاتی تھیں۔

حیات بعد الموت مصری عقائد کا ایک لازمی عنصر تھا۔ان کا عقیدہ تھا کہ جسم کے مرنے کے بعد روح زندہ رہتی ہے۔ان کے مطابق مرنے کے بعد روح کو خدا جو ایک جج تھا اور اس کے ساتھ موجود دوسرے ۴۲ ججوں کے سامنے پیش کی جاتی تھی اور ان کے سامنے ایک ترازو پر اس کا وزن کیا جاتا تھا۔وہ لوگ جن کے اعمال اچھے ہوتے تھے انہیں مرنے کے بعد اعلیٰ و خوبصورت مقامات پر بھیجا جاتا ہے جہاں وہ خوش و خرم رہتے ہیں اور جو برے اعمال کا ارتکاب کرتے رہے تھے انہیں عذاب و تکلیف کی جگہ بھیجا جاتا ہے۔یہاں بدکردار روحوں کو ہمیشہ کے لیے ایک عجیب و غریب مخلوق ''مردار خور'' عذاب دیتی رہتی ہے۔

مصریوں کا حیات بعد الموت کا عقیدہ توحید و حق پرستانہ مذہب کے عقائد سے گہری مماثلت رکھتا ہے۔یہی عقیدہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ قدیم مصری تہذیب تک پیغام حق ضرور پہنچا تھا مگر بعد میں ہونے والی تحریفات کے نتیجے میں توحید پر مبنی مذہب شرک و بت پرستی میں بدل گیا۔یعنی مصر کے لوگوں میں بھی وقتاً فوقتاً انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے تھے جو انہیں ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے رہے۔انہی انبیاء میں سے ایک حضرت یوسفؑ تھے جن کا مفصّل تذکرہ قرآن میں موجود ہے۔حضرت یوسفؑ کی تاریخ بھی بہت ہی اہم ہے کیونکہ اس کے دوران ہی اسرائیل کے بیٹے مصر آئے اور وہاں آباد ہوئے۔

تاریخ میں ایسے شواہد بھی موجود ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی آمد سے قبل بھی اہل مصر میں توحید کی دعوت دینے والے لوگ موجود تھے۔ان میں سے بہت ہی دلچسپ شخصیت ایک فرعون کی ہے جسے تاریخ میں امینھوتپ چہارم (Amenhotep-IV) کے نام سے جانا جاتا ہے۔

امینھوتپ چہارم: موٗحدّ فرعون

اکثر فراعینِ مصر ظالم، متشدّد، جنگجو اور بے رحم لوگ تھے۔انہوں نے مصر کا مشرکانہ مذہب اختیار کر رکھا تھا اور اسی مذہب کے ذریعے وہ رعایا سے اپنی عبادت کرواتے تھے۔مگر مصری تاریخ میں ایک فرعون بالکل مختلف کردار کا حامل بھی ہے۔وہ خدائے واحد کی عبادت کا اقرار کرتا تھا۔اس وجہ سے اسے اپنے دور کے مذہبی اجارہ داروں کی سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ مشرکانہ مذہب ہی ان کی کمائی کا بڑا ذریعہ تھا۔ان مذہبی رہنماؤں کو فوج کی حمایت بھی حاصل تھی۔اس طرح انجام کار اس فرعون کو قتل کر دیا گیا۔چودھویں صدی ق م میں عروج پانے والا یہ فرعون آمن حوتپ چہارم تھا۔

جب وہ ۱۳۷۵ ق م میں تخت نشین ہوا تو اسے صدیوں سے جاری رجعت پرستی اور مشرکانہ روایت کا سامنا کرنا پڑا۔اس کے دور تک معاشرتی نظام اور لوگوں کے شاہی خاندان سے تعلقات بلا تغیر قائم چلے آ رہے تھے۔معاشرے نے بیرونی ارتقاء اور مذہبی روشن خیالی پر اپنا ہر دروازہ بند کر رکھا تھا۔یہ انتہا پسندانہ مذہبی رویہ، جس کا تذکرہ قدیم یونانی سیاحوں نے بھی کیا مصری معاشرے کی اس جغرافیائی ساخت کی وجہ سے تھا جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔

فراعینِ مصر کی طرف سے نافذ کردہ سرکاری مذہب کی رو سے عوام پر ہر قدیم اور روایتی عقیدے پر غیر مشروط ایمان ضروری تھا۔ مگر آمن حوتپ چہارم نے اس سرکاری مذہب کو اختیار نہ کیا۔ مورخ ارنسٹ گومبرچ (Ernst Gombrich) کے مطابق:

''صدیوں پرانی روایات میں سے اکثر کو اس نے توڑ دیا۔ وہ لوگوں کے تراشے ہوئے بے شمار بتوں کا احترام نہیں کرتا تھا۔ اس کے نزدیک ایک خدا (Aton) ہی واحد معبود تھا جسے وہ سورج کی صورت میں بیان کرتا تھا اور اپنے اس معبود کے نام پر اس نے اپنا نام ''اخن ایتون'' رکھا ہوا تھا۔ اس نے اپنا دربار بتوں کی پرستش کرنے والے مذہبی پروہتوں سے دور قائم کر لیا تھا اس جگہ کو اب الامارنہ (El-Amarna) کہتے ہیں'' (34)۔

باپ کے انتقال کے بعد نوجوان آمن حوتپ چہارم پر بہت دباؤ ڈالا گیا۔ اس دباؤ کا سبب مصر کے روایتی مشرکانہ اور کثیر معبودی مذہب کے مقابلے میں ایک نئے توحیدی مذہب کا پرچار تھا اور یہ کہ وہ زندگی کے ہر مسئلے میں واضح تبدیلی لانا چاہتا تھا۔ مگر مذہبی رہنما اسے اس مذہب کے پیغام کی تبلیغ کی اجازت دینے پر تیار نہ تھے۔ اس پر وہ اپنے تمام ساتھیوں سمیت تھیبس (Thebes) کے شہر سے نکل کر تل الامارنہ کے مقام پر آکر قیام پذیر ہو گیا۔ یہاں اس نے اخن ایتون کے نام سے ایک نیا اور جدید شہر آباد کیا۔ آمن حوتپ چہارم نے اپنا نام جس کا مفہوم ''آمن کی رحمت'' تھا بدل کر ''اخن ایتون'' یعنی ''ایتون کا مطیع'' رکھ لیا۔ مصری کثیر المعبودی عقائد کے مطابق ایمن سب سے بڑے معبود کا نام تھا جبکہ آمن حوتپ کے مطابق ایتون آسمانوں اور زمینوں کے خالق کا نام ہے یعنی صفات کے لحاظ سے اسے ''اللہ'' سے مماثلت تھی۔

آمن حوتپ کی سرگرمیوں سے مصر کے مذہبی پیشوا ناراض تو تھے ہی، اس دوران پیدا ہونے والے ایک معاشی بحران سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے آمن حوتپ سے اقتدار چھیننے کا منصوبہ بنایا۔ حتیٰ کہ ایک سازش کے ذریعے اسے زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس طرح بعد میں آنے والے فراعین مذہبی پیشواؤں کے اثر و رسوخ کے سامنے بڑے محتاط تھے۔

''اخن ایتون'' کے بعد عسکری پسِ منظر رکھنے والے فرعون اقتدار میں آتے رہے۔ انہوں نے پرانے مشرکانہ مذہب کے فروغ میں بھرپور کردار ادا کیا۔ کم و بیش ایک سو سال بعد رامیسس دوم تخت نشین ہوا جو مصری تاریخ کا طویل ترین دور رکھنے والا حکمران تھا۔ اکثر مورخین کے نزدیک رامیسس دوم ہی بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے اور حضرت موسیٰؑ کے خلاف جنگ کرنے والا حکمران تھا (35)۔

حضرت موسیٰؑ کی بعثت

اپنی شدید سرکشی کے باعث قدیم مصری اپنے بت پرستانہ عقائد چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔ اگرچہ وقتاً فوقتاً کئی اہلِ حق انہیں خدائے واحد کی عبادت کی طرف بلاتے رہے مگر آلِ فرعون اپنی گمراہی سے ہی چمٹے رہے۔ آخر میں حضرت موسیٰؑ اللہ کے رسول بن کر آئے۔ کیونکہ اب مصری قوم ایک طرف تو اپنے مشرکانہ مذہب اور بت پرستی میں حد سے بڑھ گئی تھی تو دوسری طرف انہوں نے بنی اسرائیل کو بھی غلام بنا لیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کو اہلِ مصر کے سامنے دعوتِ حق رکھنے اور آلِ بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دلانے و راہ حق دکھانے کا عظیم مشن سونپا گیا۔ قرآن حکیم کے مطابق:

نَتْلُوا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝ (القصص۔ ۳۔۶)

''ہم آپ کو موسیٰؑ و فرعون کا کچھ واقعہ ان لوگوں کے لیے صحیح صحیح سناتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔ فرعون زمین میں بہت بڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے لوگوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کر رکھا تھا جس کے بیٹوں کو وہ ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔ بے شک وہ زمین میں بڑی خرابی پیدا کرنے والوں میں سے تھا۔

اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جن کو ملک میں بالکل کمزور کر دیا گیا تھا اور یہ کہ ان کو سردار بنادیں اور ان کو وارث بنادیں۔
اور ان کو قوت بخشیں اور فرعون اور ہامان اور ان دونوں کے لشکروں کو ان کے ہاتھوں وہ دکھادیں جس کا ان کو ڈر تھا"۔

فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو بڑھنے سے روک رہا تھا۔ اور ہر نئے پیدا ہونے والے بچے کو قتل کر دیتا تھا۔ اس لیے الوہی رہنمائی کے تحت حضرت موسیٰؑ کی ماں نے آپ کو پیدا ہوتے ہی ایک صندوق میں ڈالا اور پانی میں ڈال دیا۔ اس طرح آپ فرعون کے محل تک پہنچ گئے۔ قرآن حکیم نے اس مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے:

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْہِ ج فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْہِ فَاَلْقِیْہِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ ج اِنَّا رَآدُّوْہُ اِلَیْکِ وَجَاعِلُوْہُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ o فَالْتَقَطَہٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِیَکُوْنَ لَھُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ط اِنَّ فِرْعَوْنَ وَھَامٰنَ وَجُنُوْدَھُمَا کَانُوْا خٰطِئِیْنَ o وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَلَکَ ط لَا تَقْتُلُوْہُ ق عَسٰٓی اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَہٗ وَلَدًا وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ o
(القصص۔۷۔۹)

"چنانچہ ہم نے موسیٰ کی ماں کو حکم بھیجا کہ اس کو دودھ پلاتی رہ پھر جب تمہیں اس کے متعلق اندیشہ پیدا ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور نہ تو خوف کرنا اور نہ ہی غمگیں ہونا۔ ہم اسے تمہارے پاس زندہ و سلامت پہنچادیں گے۔ اور اس کو پیغمبروں میں سے بنادیں گے۔
پھر فرعون کے لوگوں نے اس بچے کو اٹھالیا تاکہ وہ ان کے لیے ان کا دشمن اور باعث غم ہے۔ بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر سے بڑی چوک ہوئی۔
اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ بچہ تو میرے اور تمہارے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہ کرنا۔ ہو سکتا کہ یہ ہمارے کام آئے یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنا لیں اور ان کو انجام کی خبر نہ تھی"۔

فرعون کی بیوی نے حضرت موسیٰؑ کو قتل ہونے سے بچایا اور اپنا بیٹا بنالیا۔ اس طرح آپ نے اپنا بچپن فرعون کے محل میں گزارا۔ یہ اللہ کی تائید تھی کہ آپ کی والدہ دایہ بن کر محل میں پہنچ گئیں۔

نوجوان ہونے کے بعد ایک دن موسیٰؑ نے دیکھا کہ ایک مصری بنی اسرائیل کے ایک فرد کو اذیت دے رہا ہے۔ آپ نے بیچ بچاؤ کراتے ہوئے جب مصری کو ایک مکہ مارا تو وہ وہیں مر گیا۔ اس کے باوجود کہ آپ فرعون کے محل میں رہ رہے تھے اور ملکہ نے آپ کو اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا شہر کے سرداروں نے فیصلہ کیا کہ آپ کی سزا موت ہونی چاہیے۔ یہ سنتے ہی حضرت موسیٰؑ مصر سے مدین چلے گئے۔ مدین میں قیام کے آخری ایام میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے براہِ راست کلام کیا اور آپ کو منصب نبوت عطا فرمایا۔ آپ کو حکم ہوا کہ واپس فرعون کے پاس آئیں اور اسے دینِ الٰہی کا پیغام پہنچائیں۔

فرعون کا دربار

حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ حکم الٰہی کی تعمیل میں فرعون کے پاس گئے اور اس تک دین حق کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے فرعون کو بنی اسرائیل کے بچوں پر ظلم کرنے سے منع کیا اور انہیں اپنے ساتھ جانے دینے کا کہا۔ یہ امر فرعون کے لیے ناقابل برداشت تھا کہ وہ موسیٰؑ جو فرعون کے محل میں پرورش پاتا رہا اور فرعون کا ممکنہ جانشین بھی تھا اس سے اس طرح مخاطب ہو۔ فرعون نے آپ پر ناشکرے پن کا الزام لگایا:

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّکَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَّلَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرِکَ سِنِیْنَ o وَفَعَلْتَ فَعْلَتَکَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ o (الشعراء۔۱۸۔۱۹)

"فرعون بولا: اے موسیٰ کیا ہم نے تمہیں پالا نہیں؟ اور تم اپنی عمر کے کئی برس ہمارے ساتھ رہے اور تم نے اپنا وہ کام کیا جو کیا تھا اور بے شک تم بڑے ناشکر گزار ہو"۔

فرعون جذباتی ہتھکنڈے استعمال کر کے آپ پر قابو پانا چاہتا تھا۔ وہ اس بات پر کہ اس نے اور اس کی بیوی نے موسیٰؑ کی پرورش کی تھی، آپ سے اطاعت و فرمانبرداری کا تقاضا کر رہا تھا۔ چونکہ حضرت موسیٰؑ نے ایک مصری کو بھی قتل کیا تھا اس لیے یہ سب کچھ مصری قانون کے مطابق سخت سزا کا موجب بن

سکتا تھا۔اس طرح جذباتی فضا پیدا کر کے فرعون حضرت موسیٰؑ کو متاثر کرنے کے ساتھ اپنے درباریوں کی حمایت بھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔
مگر وہ دعوتِ حق جسے حضرت موسیٰؑ لے کر آئے تھے اتنی پر اثر تھی کہ فرعون کی حیثیت ایک عام آدمی کی سی ہوگئی۔ کیونکہ اس دعوتِ حق سے یہ امر واضح ہو چکا تھا کہ فرعون خدا نہیں اور اسے حضرت موسیٰؑ کی اطاعت کرنا تھی۔ علاوہ ازیں آلِ اسرائیل کو رہا کرنے اور موسیٰؑ کے ساتھ جانے کی اجازت دینے پر بھی اس کی افرادی قوت میں نمایاں کمی ہو رہی تھی جو اس کے لیے سنگین معاشی بحران کا باعث بن سکتی تھی۔ ان اسباب کی وجہ سے فرعون نے دعوتِ موسوی پر کوئی توجہ نہ دی۔ اس نے آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیا اور لا یعنی سوالات پوچھ کر موضوع بدلنے کی کوشش کی۔ اس نے موسیٰؑ اور ہارونؑ پر باغی ہونے اور سیاسی مقاصد کے لیے کام کرنے کا الزام بھی لگایا۔ انہوں نے دینِ حق کی پیروی سے انکار کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر کچھ تکلیف اور مشکلات بھی مسلط کیں۔

فرعون اور اس کے پیروکاروں پر آنے والے عذاب

فرعون اور اس کا قریبی حلقہ بت پرستی اور آباءواجداد کے گمراہ کن مذہب پر اس حد تک ہٹ دھرمی سے کاربند تھا کہ اسے ترک کرنے کا تصور بھی ان کے لیے محال تھا۔ موسیٰؑ کے دو واضح معجزے، آپ کا چمکتا ہوا ہاتھ اور اژدھا بن جانے والا عصا بھی انہیں اپنے توہماتی دین سے نہ ہٹا سکے۔ بلکہ وہ اپنے کفر پر مزید جم گئے اور کہنے لگے:

وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ O

(الاعراف۔۱۳۲)

"اور وہ کہنے لگے کہ تم کیسے بھی نشان لے آؤ جس سے ہم پر جادو کر دو لیکن ہم تو تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے"۔

مصریوں کے اس رویّے کے باعث اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلسل عذاب بھیجے جن میں سے ہر ایک علیحدہ معجزے کی حیثیت رکھتا تھا اور اس طرح آخرت کے دائمی عذاب سے پیشتر دنیا میں بھی ان کو عذاب کا مزہ چکھایا۔ ان عذابوں میں سے پہلا خشک سالی اور فصلوں کی تباہی کا عذاب تھا۔ اس بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے" ہم نے فرعون کے لوگوں پر قحط (کے کئی سال) اور فصلوں کی بربادی مسلط کر دی کہ شاید وہ اس طرح نصیحت پا جائیں۔(سورۃ الاعراف ۱۳۰:)

چونکہ مصریوں کے زرعی نظام کی بنیاد دریائے نیل پر تھی اس لیے وہ قدرتی حالات کی تبدیلیوں سے زیادہ متاثر نہیں ہوتے تھے۔ مگر دعوت حق سے انکار کے سبب ان پر ایک غیر متوقع تباہی آئی۔ دریائے نیل کا پانی اچانک بہت ہی کم ہو گیا اور ان کے زرعی علاقوں میں آبپاشی کرنے والی نہریں خشک ہو گئیں۔ سخت اور شدید گرمی سے فصلیں خشک ہو گئیں۔ اس طرح فرعون اور اس کے حواریوں پر غیر متوقع بدحالی طاری ہو گئی۔ ان غیر متوقع برے حالات نے فرعون کا طنطنہ کم کر دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے اس کا یہ حال تھا کہ:

وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي أَفَلَا تُبْصِرُونَ O (الزخرف۔ ۵۱)

"اور فرعون نے اپنی قوم میں پکار کر کہا اے میری قوم کیا میرے ہاتھ میں مصر کی حکومت نہیں اور یہ نہریں جو میرے محل کے نیچے بہہ رہی ہیں کیا تم دیکھتے نہیں؟"

بجائے اس کے وہ ان حالات سے کچھ سبق حاصل کرتے انہوں نے حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کو نحوست قرار دے دیا۔ کیونکہ ان پر ان کے آبائی مذہب کی توہمات کی حکمرانی تھی اس طرح انہوں نے اپنے لیے ایک بہت ہی بڑے عذاب کا انتخاب کر لیا۔ یہ تکلیف تو ایک معمولی آغاز تھی مگر اس کے بعد تو عذاب کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ قرآن حکیم ان پر آنے والے مختلف عذابوں کو اس طرح بیان کرتا ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ o (اعراف۔۱۳۳)

''پس ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون واضح نشانیاں بھیجیں، پھر بھی وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ بڑے نافرمان لوگ تھے''۔

فرعون اور اس کے حلقے پر آنے والے ان عذابوں کا تذکرہ قرآن حکیم کے علاوہ عہد نامہ قدیم میں بھی موجود ہے:

''اور تمام ملک مصر میں خون ہی خون ہو گیا''۔(اخراج۔۲۱:۷)

اور اگر تو ان کو جانے نہ دے گا تو دیکھ میں تیرے ملک کو مینڈکوں سے بھر دوں گا۔اور دریا بے شمار مینڈکوں سے بھر جائے گا اور وہ آکر تیرے گھر میں، تیری آرام گاہ میں، تیرے پلنگ اور تیرے ملازموں کے گھروں، تیری رعیت، تندوروں اور آٹا گوندھنے کے لگنوں میں گھستے پھریں گے۔(اخراج۔۲:۸۔۳)

تب خداوند نے موسیٰ سے کہا ہارون سے کہہ کہ لاٹھی بڑھا کر زمین کی گرد کو مار تاکہ وہ تمام ملک مصر میں جوئیں بن جائے۔(اخراج۔۱۶:۸)

اور ٹڈیاں سارے ملکِ مصر پر چھا گئیں۔اور وہیں مصر کی حدود میں بسیرا کیا۔اور ان کا دل ایسا بھاری تھا کہ نہ تو ان سے پہلے کبھی ایسی ٹڈیاں آئیں نہ ان کے بعد پھر کبھی آئیں گی۔(اخراج۔۱۴:۱۰)

تب جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ یہ خدا کا کام ہے، پر فرعون کا دل سخت ہو گیا اور جیسا خداوند نے کہہ دیا تھا اس نے ان کی نہ سنی۔(اخراج۔۱۹:۸)

آلِ فرعون پر ان تکالیف کا نزول جاری رہا حتیٰ کہ ان پر کچھ عذاب ان کے معبودوں کی صورت میں آئے۔مثلاً انہوں نے دریائے نیل اور مینڈکوں کو تقدس میں خدائی درجہ دے رکھا تھا۔وہ ان سے مدد طلب کیا کرتے تھے۔مگر انہوں نے انہیں ان کے معبودوں کی شکل میں عذاب سے دوچار کیا تاکہ وہ اپنی غلطیوں کا احساس کر کے ان کا ازالہ کر سکیں۔

عہد نامہ قدیم کے شارحین کے مطابق دریائے نیل کا پانی ان کے لیے خون میں بدل جاتا تھا۔اور جب وہ پانی لیتے تو وہ جمے ہوئے سرخ مواد میں بدلا ہوتا۔ بعض توضیحات کے مطابق اس سرخ رنگ کی وجہ ایک مخصوص قسم کا بیکٹیریا تھا۔

مصریوں کے لیے دریائے نیل زندگی کا سرچشمہ تھا۔دریائے نیل میں کوئی بھی خرابی پورے مصر کی موت کے مترادف تھی۔اگر وہ بیکٹیریا سارے دریائے نیل کو سرخ کر دیتے تو اس پانی کو استعمال کرنے والا ہر شخص اس بیکٹیریا کے اثر سے بیمار پڑ جاتا۔

حالیہ تحقیقات کے مطابق سرخ رنگ کی وجہ پروٹوزوا(Protozoan)، زوپلانکٹان(Zooplankton)، تازے پانی کی ایلجی فائٹوپلانکٹان (phytoplankton)اور ڈائنو فلیجی لیٹس(Dinoflagellates) ہیں۔یہ تمام پروٹوزوا، فنگس اور پودے پانی کی آکسیجن کو ختم کر دیتے ہیں اور اس میں ضرررساں زہریلے مادے پیدا کر دیتے ہیں جو مچھلیوں اور مینڈکوں کے لیے مہلک ہیں۔

انجیل میں ''اخراج'' کی تفصیلات کا حوالہ دیتے ہوئے نیشنل میرین فشریز سروس کے ماہر پیٹریشا اے ٹیسٹر(Patricia A.Tester) نیویارک اکیڈمی آف سائنس کی روداد میں لکھتے ہیں کہ فائٹوپلانکٹان کی ۵۰۰۰ اقسام سے ۵۰ اقسام زہریلی ہیں جو سمندری حیات کے لیے مہلک ہو سکتی ہیں۔کینیڈا کے محکمۂ صحت کے ایون سی ڈی ٹاڈ(Ewen C.D.Todd) اسی اشاعت میں تاریخی حوالوں سے لکھتے ہیں کہ دنیا بھر میں مختلف وباؤں کا باعث بننے والے مخصوص فائٹوپلانکٹان تقریباً دو درجن کے قریب ہیں۔ڈبلیو ڈبلیو کارمائیکل(W.W. Carmichael) اور آئی آر فالکارنز(I.R.Falconer) نے بلیو گرین ایلجی سے ہونے والی بیماریوں کا ذکر کیا ہے۔نارتھ کیرولینا سٹیٹ یونیورسٹی کے آبی ماحولیات کے ماہر جون ایم برخولڈر (Joann M. Burkholder)نے دریاؤں کے دہانے میں پائے جانے والے ڈائنو فلیجلیٹ(Dinoflagellate) کا تذکرہ کیا ہے جس سے مچھلیاں مر جاتی ہیں۔

فرعون کے زمانے میں اس طرح کے واقعات مسلسل وقوع پذیر ہوئے۔اس طرح جب دریا کا پانی زہریلا ہوا تو مچھلیاں بھی مر گئیں۔اور مصریوں کی غذائیت

کا ایک اہم ذریعہ ختم ہو گیا۔ جب شکار خور مچھلیاں ختم ہو گئیں تو مینڈکوں کی نسل تیزی سے بڑھنے کے امکانات پیدا ہو گئے۔ جب دریائے نیل میں مینڈک حد سے زیادہ بڑھ گئے تو دریا کے زہریلے ماحول سے نکلنے کے لیے وہ باہر کی وادی میں امڈ پڑے اور باہر مرنے اور گلنے سڑنے لگے۔ دریائے نیل اور اس کا ارد گرد کا ماحول گندگی سے بھر گیا اور دریا کا پانی پینے یا نہانے دھونے کے قابل نہ رہا۔ مینڈکوں کے ختم ہو جانے سے مختلف قسم کے حشرات مثلاً ٹڈی اور جوئیں وغیرہ عام ہو گئے۔

مگر اس تمام تباہی اور عذاب کے حالات کے باوجود فرعون یا اس کی قوم نہ ہی اللہ کی طرف متوجہ ہوئی اور نہ ہی انہوں نے اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور گمراہی و کفر کی روش کو ترک کیا۔ بلکہ اپنی منافقانہ ذہنیت کی وجہ سے انہوں نے حضرت موسیٰؑ اور اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے کی کوشش کی۔ جب ان پر یہ خوفناک عذاب آیا وہ فوراً حضرت موسیٰؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا کہ وہ انہیں اس عذاب سے نجات دلائیں۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يٰمُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْ إِسْرَآئِيلَ ○ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَى أَجَلٍ هُمْ بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ○

(الاعراف۔۱۳۴۔۱۳۵)

''اور جب ان پر کوئی عذاب نازل ہوتا تو کہتے: اے موسیٰ! اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کرو اس عہد کے سبب جو اس نے تم سے کر رکھا ہے۔ اگر تم نے ہم سے عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور تم پر ایمان لے آئیں گے اور تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دیں گے۔

پھر جب ہم ایک مدت کے لیے ان سے عذاب دور کر دیتے جس تک انہیں عذاب پہنچنا تھا تو اس وقت وہ عہد توڑنے لگتے''۔

مصر سے اخراج

حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اس کی قوم کو اللہ کا پیغام پہنچایا اور سرتابی کی صورت میں سخت عذاب سے ڈرایا مگر جواباً انہوں نے بغاوت کی روش اختیار کرتے ہوئے آپ کو جھوٹا قرار دیا۔ اب اللہ کی طرف سے ان کے لیے ذلت آمیز انجام متعین کر دیا گیا۔ حضرت موسیٰؑ کو اس طرح اطلاع دے دی گئی:

وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي إِنَّكُمْ مُتَّبَعُونَ ○ فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ○ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ○ وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ ○ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَاذِرُونَ ○ فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ○ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ○ كَذَلِكَ ط وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ○ فَأَتْبَعُوهُمْ مُشْرِقِينَ ○ فَلَمَّا تَرَاءَى الْجَمْعَانِ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَى إِنَّا لَمُدْرَكُونَ ○

(الشعراء۔۵۲۔۶۱)

''اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو لے کر رات کو نکل جائے بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔

الغرض فرعون نے شہروں میں نقیب بھیجے۔

بلاشبہ یہ لوگ ایک چھوٹی سی جماعت ہیں۔

اور انہوں نے ہمیں بہت غصہ دلایا ہے۔

لیکن بلاشبہ ہم سب ایک مضبوط جماعت ہیں۔

اس طرح ہم نے ان کو باغات اور چشموں سے نکال باہر کیا۔

اور ان کے خزانوں سے اور عمدہ مکانوں سے

اسی طرح۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان کا مالک بنا دیا۔

پس دن نکلتے ہی ان کا پیچھا کیا

پھر جب دونوں جماعتیں مقابل ہوئیں تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا ہم تو پکڑے گے"۔

ان حالات میں جب بنی اسرائیل نے سمجھا کہ وہ پکڑے گئے اور فرعونیوں نے سمجھا کہ وہ ابھی بنی اسرائیل پر گرفت کرلیں گے حضرت موسیٰؑ نے اللہ کی مدد و نصرت پر یقین کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ كَلَّاۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ O (الشعراء۔۲۶)

"فرمایا: ہر گز نہیں۔ میرا پروردگار میرے ساتھ ہے وہ مجھے راہ نجات بتادے گا"۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے دریا کو پھاڑتے ہوئے موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کو بچالیا۔ جب بنی اسرائیل گزر گئے تو فرعون اور اس کی قوم پر دریا کا راستہ بند ہو گیا اور وہ غرقاب ہو گئے:

فَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ O وَ اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ O وَ اَنْجَیْنَا مُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ O ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ O اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةًؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ O وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ O (الشعراء۔۳۶۔۸۶)

"چنانچہ ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا دریا پر مارو تو دریا پھٹ گیا اور ہر ٹکڑا پانی کے ایک بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔

اور ہم نے دوسروں کو بھی وہاں پہنچادیا۔

اور ہم نے موسیٰ اور ان کے سب ساتھیوں کو بچالیا۔

پھر دوسروں کو ڈبو دیا۔

بے شک اس میں (اللہ کی قدرت کی) بڑی نشانی ہے۔ اور ان میں اکثر ایمان لانے والے تھے ہی نہیں۔

اور بے شک آپ کا رب ہی بڑا غالب رحم والا ہے"۔

حضرت موسیٰؑ کے عصا میں بھی بہت ہی معجزانہ خصوصیات تھیں۔ پہلی وحی کے دوران اللہ تعالیٰ نے اسے سانپ میں بدل دیا تھا۔ اور پھر اس سانپ نے فرعون کے جادو گروں کے تمام جادوائی مظاہر کو نگل لیا تھا۔ اب پھر اس عصا سے حضرت موسیٰؑ نے دریائے نیل کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ عصا حضرت موسیٰؑ کو عطا ہونے والا ایک عظیم ترین معجزہ تھا۔

کیا یہ واقعہ بحیرۂ روم کے ساحل یا بحیرۂ احمر میں پیش آیا؟

حضرت موسیٰؑ نے کس مقام پر دریا کو دو حصوں میں تقسیم کیا اس پر کوئی واضح نقطۂ نظر موجود نہیں۔ چونکہ قرآن حکیم میں اس کی کوئی تفاصیل مذکور نہیں ہیں اس لیے اس بارے میں صحیح رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ بعض شواہد کے مطابق یہ واقعہ مصر کے بحیرۂ روم (Mediterranean Sea) کے ساحل پر پیش آیا۔ انسائیکلوپیڈیا جوڈیشیا (Encyclopedia Judaica) کے مطابق:

"اکثر محققین کے نزدیک بنی اسرائیل کے اخراج کا واقعہ بحیرہ & روم کے سواحل پر واقع بحیرہ احمر (Red Sea) کی ایک ساحلی جھیل پر پیش آیا"۔

ڈیوڈ بن گوریان (Gurion David Ben) کے مطابق یہ واقعہ رامیسس دوم کے دور حکمرانی میں قادیش (Kadesh) شکست کے بعد پیش آیا۔

عہد نامہ قدیم کی کتاب اخراج کے مطابق یہ واقعہ وادی کے شمال میں میگڈول (Migdol) اور بال زیفون (Beal-Zephon) کے علاقے میں پیش آیا۔

اس نقطۂ نظر کا انحصار عہد نامہ قدیم پر ہے۔ عہد نامہ قدیم کی کتاب اخراج کی تشریحات کے مطابق فرعون بحیرۂ احمر میں غرقاب ہوا تھا۔ اس نقطۂ نظر کے حامل لوگوں کے مطابق لفظ Red Sea اصل میں Sea of Reeds یعنی سرکنڈوں کا سمندر ہے۔ چونکہ اس کی Red Sea کے ساتھ مماثلت

ہے سوا کثر مقامات پر اس سے بحیرۂ احمر مراد لیا گیا مگر Sea of Reeds سے مراد بحیرۂ روم کے مصری سواحل ہیں۔ عہد نامہ قدیم میں حضرت موسیٰ ں کے دورانِ سفر اختیار کردہ راستوں کے ذکر میں میگڈول اور بال زیفون کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں اور یہ علاقے مصر کے سواحل میں وادئ نیل کے شمال میں واقع ہیں۔ Sea of Reeds کے تذکرے سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ شاید یہ واقعہ سواحلِ مصر پر پیش آیا کیونکہ اس علاقے میں ساحل پر پانی کی موجودگی کے سبب کثرت سے سرکنڈے پیدا ہوتے ہیں۔

فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی

قرآن حکیم ہمیں بحیرۂ احمر کے دو حصوں میں تقسیم ہو جانے کی خبر دیتا ہے۔ قرآن حکیم کی تفصیلات کے مطابق حضرت موسیٰ ں مصر سے بنی اسرائیل کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ فرعون کے لیے یہ امر ناگوار تھا کہ بنی اسرائیل اس کی اجازت کے بغیر حضرت موسیٰ ں کے ہمراہ روانہ ہو جائیں۔ وہ اپنے لشکر کے ہمراہ تعاقب کے لیے نکل پڑا:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَھُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُہٗ بَغْیًا وَّعَدْوًاط

(یونس۔۹۰)

"اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار کر دیا۔ پھر فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی اور ظالمانہ انداز سے ان کا پیچھا کیا"۔

جب حضرت موسیٰ ں اور بنی اسرائیل دریا کے ساحل پر پہنچے۔ قریب تھا کہ فرعون اور اس کا لشکر انہیں آپکڑتا۔ اس منظر کو دیکھتے ہی بنی اسرائیل حضرت موسیٰ ں سے شکایت کرنے لگے۔ عہد نامہ قدیم کے مطابق وہ حضرت موسیٰ ں سے کہنے لگے کہ وہ انہیں اپنے گھروں سے نکال کر موت کی طرف کیوں لے آئے۔ اگرچہ وہ گھروں میں فرعون کے غلام تھے مگر زندہ تو تھے۔ اس منظر کو قرآن حکیم نے یوں بیان کیا:

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓی اِنَّا لَمُدْرَکُوْنَ ○ (الشعراء۔ ۶۱)

"پھر جب دونوں جماعتیں مقابل ہوئیں تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا (لو) ہم تو پکڑے گئے"۔

حقیقت یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی شکایت کا یہ کوئی پہلا واقعہ نہ تھا بلکہ اس سے قبل بھی وہ بارہا اس طرح کے گستاخانہ رویے کا اظہار کر چکے تھے:

قَالُوْٓا اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَمِنْم بَعْدِ مَا جِئْتَنَاط قَالَ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّھْلِکَ عَدُوَّکُمْ وَیَسْتَخْلِفَکُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ○

(الاعراف۔ ۱۲۹)

"(بنی اسرائیل) کہنے لگے: اے موسیٰ ہمیں تمہارے آنے سے پہلے بھی تکلیفیں پہنچتی رہی ہیں اور تمہارے آنے کے بعد بھی"۔

مگر بنی اسرائیل کے اس رویے کے باوجود حضرت موسیٰ ں کو اپنی جدوجہد کے آغاز ہی سے اللہ کی مدد و نصرت پر پورا بھروسہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ ں سے وعدہ تھا کہ ان کی ہر حال میں مدد کی جائے گی:

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی ○ (طٰہٰ۔ ۴۶)

"فرمایا تم مت ڈرو، میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں"۔

جب حضرت موسیٰ ں کا فرعون کے جادوگروں سے پہلی مرتبہ سامنا ہوا تو انہیں کچھ خوف محسوس ہوا (طٰہٰ۔ ۶۷) اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خوف مت کھاؤ کیونکہ انجام کار غلبہ تمہیں ہی ملے گا (طٰہٰ۔ ۶۸) گویا معرکہ حق و باطل کے ان مراحل سے بخیر و خوبی گزرنے کے لیے موسیٰ ں کی بارگاہ خداوندی سے تربیت کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کی قوم کے کچھ لوگوں نے خوف محسوس کیا تو آپ نے فرمایا:

قَالَ کَلَّاط اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ ○ (الشعراء۔ ۶۲)

''موسیٰ نے فرمایا: ہر گز نہیں، میرا پروردگار میرے ساتھ ہے وہ مجھے راہ (نجات) دیگا''۔

اس پر اللہ تعالی نے حضرت موسیٰؑ کو وحی کی کہ اپنا عصا دریا کے پانی پر مارو۔ اس پر دریا دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور پانی کا ہر حصہ دو عظیم پہاڑوں میں بدل گیا (الشعراء۔۳۶) جس وقت یہ عظیم واقعہ پیش آیا اسے دیکھتے ہی فرعون کو سمجھ جانا چاہئے تھا کہ یہ معجزہ عام انسان کے بس کی بات نہیں اور اس میں الوہی قدرت کار فرما ہے۔ وہی لوگ جنہیں ہلاک کرنے کے لیے فرعون تعاقب میں تھا، انہیں دریا راستہ دے رہا تھا۔ گو کہ اس بات کی کوئی ضمانت نہ تھی کہ بنی اسرائیل کے گزر جانے کے بعد دریا کا پانی پھر رواں دواں ہو جائے گا فرعون اور اس کا لشکر بنی اسرائیل کے تعاقب میں دریا میں اتر گئے۔ شاید یہ اس غیر معمولی صورتحال کا اثر تھا کہ فرعون اور اس کے لشکر کی فہم و فراست تک معطل ہو گئی اور وہ اپنی گمراہی میں اتنے پختہ تھے کہ اس سے کوئی سبق نہ لے سکے:

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ط

(یونس۔۰۹)

''اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار کر دیا۔ پھر فرعون اور اس کے لشکر نے بڑی سرکشی اور ظالمانہ انداز سے ان کا پیچھا کیا''۔

فرعون کے آخری لمحات کو قرآن حکیم اس طرح بیان کرتا ہے:

حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ لا قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ O (یونس۔۰۹)

''جب فرعون (اپنی فوج سمیت) ڈوبنے لگا تو بولا کہ میں ایمان لایا کہ اس کے سوا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے کوئی معبود نہیں اور میں فرمانبرداروں میں شامل ہوتا ہوں''۔

یہاں موسیٰؑ کا ایک دوسرا معجزہ بھی موجود ہے جس کی یاد قرآن حکیم کی درج ذیل آیت دلاتی ہے:

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ج رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ O قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ O (یونس۔۸۸۔۹۸)

''اور موسیٰ نے عرض کی: اے ہمارے پروردگار تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو سب عیش کی چیزیں اور دنیا کی زندگی میں مال دیا ہے۔ اے ہمارے پروردگار اس لیے کہ یہ تیری راہ سے لوگوں کو بہکا دیں۔ اے پروردگار ان کے مال و متاع کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ جب تک یہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں ایمان نہ لائیں۔

(اللہ نے) فرمایا: تم دونوں کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا جا چکا، پس تم ثابت قدم رہنا اور نادانوں کی راہ پر نہ چلنا''۔

ان آیات سے بالکل واضح ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو ان کی دعا کے جواب میں یہ بتا دیا گیا تھا کہ فرعون اس وقت ہی ایمان لائے گا جب وہ عذاب کو دیکھ لے گا جب فرعون پانی میں غرق ہونے لگا تو اس نے اللہ پر ایمان کا اقرار کیا۔ مگر اس کا یہ رویہ غیر مخلصانہ اور مبنی بر کذب تھا۔ عین ممکن ہے کہ وہ خود کو ڈوبنے سے بچانے کے لیے یہ اقرار کر رہا ہو۔

اسی لیے آخری لمحے پر ایمان کو اللہ نے قبول نہ کیا۔ اب فرعون اور اس کا لشکر عذاب سے نہ بچ سکتے تھے:

آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ O فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ط وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ O

(یونس۔۱۹۔۲۹)

''اب (ایمان کا دعویٰ) اور اس سے قبل نافرمانی پر تلا رہا۔ اور تو (تو) ہمیشہ مفسدوں میں رہا۔

پس آج ہم تیرا جسم بچائے دیتے ہیں تاکہ تو بعد میں آنے والی امتوں کے لیے ایک نشان بن جائے۔اور بے شک اکثر لوگ ہماری نشانیوں پر توجہ نہیں کرتے"۔

قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ فرعون اور اس کا لشکر اپنے انجام سے دوچار ہوئے چونکہ فرعون اور اس کا لشکر کفر و عناد (یونس۔۰۹) ، گناہ (القصص:۸) ، سرکشی (القصص:۰۴) کے مرتکب اور اللہ کے حضور حاضری سے انکار کرنے والے (القصص:۹۳) تھے، سو انہیں سخت عذاب سے دوچار کیا گیا۔سو اللہ نے فرعون اور اس کے حامیوں کو گھروں سے نکالا اور دریا برد کر دیا (القصص:۰۴) ان کا یہ انجام دراصل اس امر کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا اور انذار پر کوئی توجہ نہ دی (الاعراف۔۶۳۱) ۔ قوم فرعون کی ہلاکت کے بعد کیا ہوا؟ قرآن حکیم اسے یوں بیان کرتا ہے:

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْهَا ط وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لا بِمَا صَبَرُوْا ط وَدَمَّرْنَا مَا کَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا کَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ○

(الاعراف۔۷۳۱)

"اور ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے اسی سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے۔اور بنی اسرائیل کے حق میں آپ کے رب کا نیک وعدہ ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا۔اور فرعون اور اس کی قوم نے جو محل بنائے تھے اور جو کچھ (باغ) چھتریوں پر چڑھائے تھے سب کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا"۔

باب ہفتم

اہل سبا اور سیلابِ عرم

لَقَدْ کَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْکَنِهِمْ اٰیَةٌ ج جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّشِمَالٍ ط کُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّکُمْ وَاشْکُرُوْا لَهٗ ط بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ○ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ

بِجَنَّتَيۡهِمۡ جَنَّتَيۡنِ ذَوَاتَىۡ اُكُلٍ خَمۡطٍ وَّاَثۡلٍ وَّشَیۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِيۡلٍ o (سبا۔۱۵۔۱۶)

"اہل سبا کے لیے ان کی آبادی میں ایک نشانی تھی۔ دو باغ داہنے اور بائیں تھے۔ یہ نشانیاں گویا زبانِ حال سے کہہ رہی تھیں کہ اے سبا کے رہنے والو! اپنے پرور دگار کا عطا کیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ پاکیزہ شہر، اور بخشنے والا پرور دگار۔

لیکن انہوں نے رو گردانی کی تو ہم نے ان پر ایک زوردار سیلاب چھوڑ دیا۔ اور ان کے دو باغوں کے بدلے ہم نے ان کو دو اور باغ دیے جس میں بدمزہ میوے، جھاؤ اور کچھ بیری کے درخت رہ گئے"۔

قوم سبا کا شمار جنوبی عرب کی چار بڑی تہذیبوں میں ہوتا تھا۔ ان لوگوں کا دور ۷۵۰۔۱۰۰۰ ق م سے ۵۵۰ عیسوی تک ہے۔ اس دوران تقریباً دو صدیوں تک ایران اور عرب ان پر حملے کرتے رہے۔ اہلِ سبا کی تہذیب کا تاریخی دورانیہ ایک متنازع امر ہے۔ انہوں نے اپنی حکومتی دستاویزات کا ریکارڈ رکھنا ۶۰۰ ق م سے شروع کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے قبل ان کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ملتیں۔

قوم سبا کے بارے میں قدیم ترین تاریخی حوالہ آشوری بادشاہ سارگن دوم (۷۲۲۔۷۰۵ ق م) کے سالانہ جنگی حالات کی تاریخ ہے۔ سارگن ٹیکس دینے والے لوگوں کا ریکارڈ تیار کرواتا تھا۔ اس میں ملکِ سبا کے بادشاہیتِ امارہ (Yith'i-amara) کا ذکر بھی ملتا ہے۔ سبائی تہذیب کے بارے میں ہمارے پاس یہ قدیم ترین تاریخی حوالہ ہے تاہم اس ماخذ پر ہی انحصار کرتے ہوئے بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ تاریخی ریکارڈ کے آغاز سے بہت پہلے یعنی کم و بیش ۷۰۰ ق م کے دوران بھی اہل سبا موجود تھے۔ اس طرح سبا کی تاریخ مزید قدیم قرار پاتی ہے۔ ریاست اُر (Ur) کے آخری بادشاہوں میں سے اردنار (Arad-Nannar) کے کتبوں میں بھی "سبم" کا تذکرہ ملتا ہے جس سے ملک سبا ہی مراد لیا گیا ہے۔ اگر حقیقتاً اس سے مراد ملک سبا ہی ہو تو اس کی تاریخ ۲۵۰۰ ق م کے قریب قرار پاتی ہے۔

سبا سے متعلق تاریخی حوالے بتاتے ہیں کہ یہ بھی فونیقی (Phoenician) قبائل ہی کی طرح کی تہذیب تھی خصوصاً تجارتی سرگرمیوں میں مماثل تھی اس لیے ان لوگوں نے شمالی عرب سے گزرنے والی اکثر شاہراہوں کی تعمیر کی تھی۔ چونکہ سبائیوں کو مال تجارت کی نقل و حمل کے لیے شمالی عرب، بحیرۂ روم اور غزہ وغیرہ سے گزرنا پڑتا تھا اس لیے وہ اس علاقے کے بادشاہ سارگن دوم سے اجازت لینے اور اسے کچھ ٹیکس ادا کرنے کے پابند تھے۔ جب سبائیوں نے آشوری حکومت کو ٹیکس ادا کرنا شروع کیا ان کا نام بھی سرکاری ریکارڈ میں شامل ہو گیا۔

تاریخ میں اہل سبا کو مہذب قوم کے طور پر جانا جاتا ہے۔ سبا کے حکمرانوں کے کتبوں میں بحالی، وقف اور تعمیر کے الفاظ کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے فن تعمیر کا ایک نمونہ مآرب ڈیم (Ma'rib Dam) ان کی فنی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان کی عسکری قوت بھی اتنی ہی زیادہ عمدہ تھی۔ ایک طویل عرصے تک ان کی تہذیب کی بقا کا ایک سبب ان کی مضبوط فوج تھی۔

اہل سبا کی فوج علاقے کی مضبوط ترین فوج تھی۔ اس فوج کی وجہ سے وہ ریاست اپنے توسیعی عزائم پورے کرتی تھی۔ حکومت سبا نے قدیم قطبانی ریاست (Qataban State) کے اکثر علاقے فتح کر لیے تھے۔ براعظم افریقہ کے کئی علاقے بھی اس کے زیر تسلط تھے۔ ۲۴ ق م میں اپنی مغربی مہمات کے دوران اس نے اپنے دور کی مضبوط ترین ریاست سلطنتِ روم کے مصری گورنر مرکس ایلیس گیلس (Marcus Aelius Gallus) کو شکست دی۔ ملکِ سبا جدید پالیسیوں کو رائج کرنے والی مملکت تھی اور جہاں ناگزیر ہوتا طاقت کا استعمال کرتی تھی۔ اپنے ترقی یافتہ کلچر اور فوجی طاقت کے بل بوتے پر ملک سبا اپنے علاقے کی ایک سپر پاور تھا۔

ملکِ سبا کی غیر معمولی طاقتور فوج کا تذکرہ قرآن حکیم میں بھی کیا گیا۔ سبائی فوج کے کمانڈر کے الفاظ جو اس نے اپنی ملکہ سے گفتگو کے دوران استعمال کیے اس کے اعتماد اور فوجی طاقت کو ظاہر کرتے ہیں:

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ لا وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ○ (النمل: ۳۳)

''وہ بولے ہم بڑے زور آور اور جنگجو ہیں۔ آپ کو اختیار ہے پس آپ جو حکم دیں اس پر غور فرمالیں''۔

مملکت سبا کا دارالحکومت مآرب، اپنی جغرافیائی اہمیت کے سبب بہت دولت مند علاقہ تھا۔ دارالحکومت ''دریائے اجنانہ'' کے بہت قریب تھا۔ جبلِ برق جہاں سے دریا گزرتا تھا ڈیم کی تعمیر کے لیے بہت ہی موزوں مقام تھا، اپنی تہذیب کے قیام کے ابتدائی دور میں اہل سبا نے یہاں ایک اہم ڈیم تعمیر کیا اور اس سے آبپاشی کا کام لینا شروع کیا۔ اس طرح وہ بہت ہی خوشحال ہو گئے۔ مآرب اس دور کے بہت ہی ترقی یافتہ شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ اس علاقے کا دورہ کرنے والا یونانی مورخ پلائنی (Pliny) اس شہر کی زرخیزی اور سبزے کی بہت تعریف کرتا ہے۔

مآرب کے ڈیم کی بلندی ۱۶ میٹر، چوڑائی ۶۰ میٹر اور لمبائی ۶۲۰ میٹر تھی۔ اعداد و شمار کے مطابق اس ڈیم سے سیراب ہونے والا کل رقبہ ۹۶۰۰ ہیکٹر تھا جس سے ۵۳۰۰ ہیکٹر رقبہ جنوبی میدانوں اور بقیہ شمالی میدانوں سے تھا۔ سبا کے اکثر کتبوں میں ان کا تذکرہ ''مآرب اور دو میدان'' کہہ کر کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم ''دائیں اور بائیں دو باغ'' کہہ کر انہی دو میدانوں اور ان میں موجود انگوروں کے باغوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس ڈیم اور نظام آبپاشی کی وجہ سے یہ علاقہ اپنی زرخیزی اور ثمر آوری کی وجہ سے پورے یمن میں مشہور ہو گیا۔ فرانسیسی محقق جے ہالوے (J.Holevy) اور آسٹریا کے محقق گلازر (Glaser) نے تاریخی شواہد سے ثابت کیا ہے کہ مآرب کا ڈیم دور قدیم سے موجود تھا۔ حمیری زبان میں لکھی گئی اکثر دستاویزات میں اس امر کا تذکرہ موجود ہے اس ڈیم سے پورا علاقہ زرخیز ہو گیا تھا۔

پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں اس ڈیم کی کئی بار مرمت کی گئی۔ مگر اس کے باوجود ۵۴۲ عیسوی میں یہ ڈیم تباہ ہو گیا۔ یہ تباہی عرم کے اس عظیم سیلاب کا نتیجہ تھی جس کا تذکرہ قرآن حکیم میں بھی کیا گیا۔ انگور کے باغ، زرخیز میدان جنہیں اہلِ سبا سینکڑوں سال سے کاشت کرتے آرہے تھے کلیتاً تباہ ہو گئے۔ ڈیم کی تباہی کے بعد اہلِ سبا زوال کی اتھاہ گہرائیوں میں گر گئے۔ مملکت سبا کا انجام، ڈیم کی تباہی کے ساتھ ہی ہو گیا۔

ملک سبا پر آنے والے عرم کا سیلاب

اگر ہم متذکرہ بالا تاریخی مواد کی روشنی میں قرآن حکیم کا مطالعہ کریں تو ہمیں ان دونوں میں حیرت انگیز مماثلت ملتی ہے۔ آثارِ قدیمہ کی دریافتیں اور تاریخی مواد دونوں قرآنی بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس آیت کے مطابق ملک سبا کے وہ لوگ جنہوں نے انبیاء کی دعوت پر توجہ نہ دی اور اپنی سرکشی پر مصر رہے خوفناک سیلاب کی نذر ہو گئے۔ اس سیلاب کا تذکرہ قرآن حکیم نے یوں کیا:

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ج جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ط كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ط بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ○ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ○ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ط وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ○ (سبا۔ ۱۵-۱۷)

''اہل سبا کے لیے ان کی آبادی میں ایک نشانی تھی دو باغ، داہنے اور بائیں تھے (یہ نشانیاں گویا زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ اے اہل سبا) اپنے پروردگار کا عطا کیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ پاکیزہ شہر اور بخشنے والا پروردگار!

لیکن انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے ان پر ایک زوردار سیلاب چھوڑ دیا اور ان کے دو باغوں کے بدلے ہم نے ان کو دو اور باغ دیے جس میں بدمزہ میوے، جھاؤ اور کچھ بیری (ہی رہ گئے)۔

یہ ہم نے ان کو ان کی ناشکری کا بدلہ دیا اور ہم ناشکر گزاروں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں''۔

جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے ملک سبا اپنے غیر معمولی حسن، پھلوں سے لدے ہوئے باغات اور زرخیزی کے لیے پورے علاقے میں بے نظیر تھا۔ تجارتی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے اہل سبا کا معیار زندگی بہت بلند تھا اور یہ اپنے دور کا خوبصورت ترین شہر تھا۔

مملکت سبا جہاں کے حالات اتنے اچھے تھے، اس شہر کے باسیوں کو "اللہ کا رزق کھانے اور اس کی اطاعت کرنے" کا درس دیا گیا تھا۔ مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔ انہوں نے وہ راستہ اختیار کیا جس سے ان کی خوشحالی محرومی میں بدل گئی۔ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ ساری زرخیزیاں اور خوشحالی ان کے اپنے فن اور ہنرمندی کا نتیجہ ہے۔ وہ شکر گزاری کی بجائے سرکشی کے مرتکب ہونے لگے اور آیت کے الفاظ میں وہ اللہ سے دور ہو گئے۔ چونکہ ساری خوشحالی کے وہ خود دعویدار بن گئے سو وہ سب کچھ ان سے چھن گیا اور سیلاب عرم ان کی زندگی کی ہر آسائش کو بہا کر لے گیا۔

قرآن حکیم نے اہل سبا کو دی جانے والی سزا کو سیل العرم قرار دیا جس کا معنی ہے عرم کا سیلاب۔ قرآن حکیم کے یہ الفاظ قوم سبا کی تباہی کے انداز کو بیان کرتے ہیں۔ عرم ڈیم یا بند کو کہتے ہیں۔ گویا سیلِ العرم سے مراد وہ سیلاب ہوا جو ڈیم یا بند کے ٹوٹنے سے آیا ہو۔ مسلم مفسرین نے سیل عرم کی اس قرآنی اصطلاح اور اس کے وقت و جگہ کی تشریح کی ہے۔ مولانا مودودی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"سیلِ العرم میں استعمال ہونے والا لفظ "عرم" جنوبی عرب کی زبان کے لفظ "عارمین" سے نکلا ہے جس کا معنی ڈیم یا بند ہے۔ یمن میں ہونے والی کھدائیوں سے سامنے آنے والے آثار میں یہ لفظ اس معنی میں کثرت سے استعمال ہوتا دیکھا گیا۔ مثلاً یمن کے حبشی بادشاہ ابرہہ کے احکامی کتبوں میں جو ۵۴۲۔۵۴۳ عیسوی میں مآرب کی بڑی دیوار کی واگزاشت کے بعد لکھے گے، یہ لفظ ڈیم (بند) کے مضمون میں بار بار استعمال کیا گیا۔ سو، سیل العرم سے مراد وہ سیلاب ہے جو ڈیم کی تباہی پر آتا ہے"۔

قرآن حکیم کا ارشاد "اور ان کے دو باغوں کے بدلے ہم نے ان کو دو اور باغ دیے جس میں بدمزہ میوے، جھاؤ اور کچھ بیری کے درخت تھے" (سبا۔۱۶) اس منظر کو عیاں کرتا ہے۔ یعنی سیلاب کے بعد تمام ملک غرقابی کے باعث ویران ہو گیا۔ وہ نہریں اور پہاڑوں کے درمیان آبپاشی کے نظام کی دیواریں تو اہل سبا نے تعمیر کر رکھی تھیں سب سیلاب کی وجہ سے تباہ ہو گئیں۔ نتیجتاً وہی علاقہ جو سیلاب سے پہلے خوبصورت باغات پر مشتمل تھا اب ایک جنگل میں بدل گیا۔ اب وہاں جھاڑیوں اور چند بیری کے درختوں کے علاوہ کچھ بھی باقی نہ بچا"۔

عیسائی ماہر آثار قدیمہ ورنر کیلر Werner Keller نے اپنی کتاب "کتاب مقدس حق ہے" میں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ سیل عرم کا واقعہ اسی طرح پیش آیا جس طرح قرآن حکیم نے بیان کیا ہے اور یہ کہ آثار قدیمہ میں ڈیم اور اس کے ٹوٹنے کے آثار نے قرآن حکیم کے بیان کردہ واقعات کی تصدیق کی ہے۔

سیلابِ عرم کی تباہی کے بعد وہ سارا علاقہ صحرا میں بدل گیا۔ زرعی زمینوں کے خاتمے سے اہل سبا اپنے ذرائع آمدنی سے محروم ہو گئے۔ وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے دین کو قبول کرنے سے انکار کیا اور گمراہی پر ڈٹے رہے انجام کار عذاب سے دوچار ہوئے۔ اس تباہی کے بعد قوم سبا بکھر گئی۔ ان کی شمالی عرب، مکہ اور شام کو ہجرت سے شہر کے سارے گھر ویران ہو گئے۔

چونکہ یہ واقعہ عہد نامہ قدیم و جدید کی ترتیب کے بعد پیش آیا اس لیے اس میں اس کا کوئی ذکر موجود نہیں۔ مآرب کا شہر جو کبھی ایک طاقتور مملکت کا دار الحکومت تھا اب صرف ایک ویران صحرا ہے۔ یہ شہر الوہی دعوت کو رد کرنے والوں کے لیے جائے عبرت ہے۔ سورۃ الکھف میں باغ کے دو مالکوں کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک تو اہل سبا کی طرح بہت ہی زرخیز باغ کا مالک ہے مگر وہ بھی ان کی طرح اللہ سے دوری کی غلطی کا مرتکب ہوتا ہے۔ وہ یہ سمجھا ہے کہ حالات کی سازگاری اور خوشحالی اس کی اپنی فہم و فراست اور علم و ہنر کا ثمر ہے اور اس میں الوہی عطا کو کوئی دخل نہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا لا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝ وَكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ج فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّأَعَزُّ نَفَرًا ۝ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ج قَالَ مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖ أَبَدًا ۝ وَّمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً لا وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ إِلٰى رَبِّيْ لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ أَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝ لٰكِنَّا هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّيْ أَحَدًا ۝ وَلَوْلَا إِذْ

دخلت جنتک قلت ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ ان ترن انا اقل منک مالا وولدا O فعسی ربی ان یؤتین خیرا من جنتک ویرسل علیھا حسبانا من السماء فتصبح صعیدا زلقا O او یصبح ماؤھا غورا فلن تستطیع لہ طلبا O واحیط بثمرہ فاصبح یقلب کفیہ علی ما انفق فیھا وھی خاویۃ علی عروشھا ویقول یلیتنی لم اشرک بربی احدا O ولم تکن لہ فئۃ ینصرونہ من دون اللہ وما کان منتصرا O ھنالک الولایۃ للہ الحق ھو خیر ثوابا وخیر عقبا O (الکھف۔ ۳۲۔ ۴۴)

"اوران سے دو شخصوں کی مثال بیان کیجئے کہ ان میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دیئے۔اور جن کے چاروں طرف ہم نے کھجوروں کے درختوں کا احاطہ بنا رکھا تھا۔اوران کے بیچ کھیتیاں تھیں۔

دونوں باغ خوب اپنے اپنے پھل لائے۔اس میں کچھ کمی نہ کی گئی اور ہم نے دونوں کے درمیان نہریں بھی جاری کر دیں۔

اوراس کے پاس پھل تھا تو اس نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ اس سے باتیں کرتے کرتے کہنے لگا کہ میں تجھ سے مال ودولت میں زیادہ ہوں اور جتھے کے لحاظ سے بھی زیادہ عزت والا ہوں۔

اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا حالانکہ وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہا تھا۔ بولا میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی بھی برباد ہو۔

اور میرے خیال میں قیامت کبھی بھی نہ آئے گی اور اگر میں اپنے پروردگار کی طرف واپس بھی گیا تو وہاں پہنچ کر اس سے بہتر جگہ پاؤں گا۔

اس کے ساتھی نے اس سے جواب کے طور پر کہا: کیا تو اس (اللہ) سے منکر ہو گیا جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر تجھ کو آدمی بنایا۔

لیکن (میرا قول یہی ہے کہ) اللہ ہی میرا پروردگار ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تھا تو کہتا جو اللہ چاہتا ہے اور اللہ کے سوا کسی میں دینے کی طاقت نہیں، اگر تو مجھ کو مال اور اولاد میں کمتر دیکھتا ہے

تو کیا عجب ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر باغ عطا فرمائے وہ اس پر گرم لو کا ایک جھونکا آسمان سے بھیج دے پھر وہ صاف میدان ہو جائے۔

یا اس کا پانی گہرا ہو جائے پھر تو اسے ہر گز تلاش نہ کر سکے۔

اور اس کے پھلوں کو (آفت نے) آگھیرا پھر صبح کو وہ ہاتھ ملتا رہ گیا، اس پونجی پر جو اس پر صرف کی تھی اور وہ اپنی چھتریوں پر گرا پڑا تھا اور وہ کہنے لگا کہ کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا۔

اور اللہ کے سوا کوئی حمایت اس کی مددگار نہ ہو سکی اور نہ وہ بدلہ لے سکا۔

یہاں سب اختیار اللہ برحق ہی کو ہے۔اسی کا انعام بہتر اور اسی کا بدلہ اچھا ہے"

جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے باغ کے مالک کی غلطی اللہ کے وجود کا انکار کرنا نہ تھا۔ بلکہ وہ اس مغالطے کا شکار تھا کہ اگر بالفرض محال قیامت آئی اور اسے اللہ کے سامنے پیش ہونا پڑا تو اسے اس سے بہتر باغات سے نوازا جائے گا گویا دنیاوی راحت وخوشحالی محض اس کی ذاتی کاوشوں کا حاصل تھی۔

فی الحقیقت شرک فی التوحید یہی ہے کہ انسان ہر وہ چیز جو اللہ کو سزاوار ہے اسے غیر اللہ سے منسوب ومتعلق کر دے۔اور غضب الٰہی سے اتنا بے خطر ہو جائے کہ وہ یہ سمجھنے لگے کہ اسے وہ بلند اور ذاتی مقام حاصل ہے کہ ہر حال میں اسے الوہی حمایت حاصل رہے گی۔

اس مغالطے اور لغزش کا شکار اہل سبا ہوئے سوانہیں سزا بھی وہی ملی یعنی ان کی ساری املاک برباد ہو گئیں۔تاکہ وہ اور اہل عالم یہ جان سکیں کہ وہ خود کسی بھی طاقت یا اختیار کے فی نفسہ مالک نہیں ہیں بلکہ یہ انہیں عطا کیا گیا ہے۔

باب ہشتم

حضرت سلیمان ں اور ملکہ سبا

قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ O
(النمل۔ ۴۴)

''اس سے کہا گیا کہ دیوان خاص میں چلیے۔ پھر جب اس نے اس (فرش) کو دیکھا تو سمجھی کہ گہرا پانی ہے اور اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ (سلیمان نے) کہا یہ تو ایک محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ بول اٹھی: اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ میں اللہ کے آگے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے سلیمان کے ساتھ مسلمان ہوئی''۔

جنوبی یمن میں موجود ملک سبا کے تاریخی ریکارڈ کے مطالعے سے حضرت سلیمان ں اور ملکہ سبا کی ملاقات کی تفصیلات منظر عام پر آئی ہیں۔ کھنڈروں کے مطالعے سے ۱۰۰۰ سے ۹۵۰ ق م کے درمیان اس علاقے میں ایک ملکہ کے رہنے اور اس کے شمال کو یروشلم کی طرف سفر کرنے کے شواہد ملے ہیں۔ سورۂ نمل میں ان دونوں حکمرانوں کے درمیان رابطے، ان کی حکومت اور ممالک کے اقتصادی وسیاسی حالات بھی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ ملکہ سبا سے متعلق یہ واقعہ جو سورۂ نمل میں بیان ہوا ہدہد کی اس تفصیل سے شروع ہوتا ہے جو وہ حضرت سلیمان ں کی فوج کے رکن کے طور پر ان کے سامنے بیان کرتا ہے:

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ O إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ O وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ O أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ O اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ O قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ O (النمل۔ ۲۲۔ ۲۷)

''پھر تھوڑی ہی دیر میں وہ آ گیا اور کہنے لگا کہ مجھے وہ بات معلوم ہوئی ہے جس کو آپ نے نہ جانا اور میں آپ کے پاس ملک سبا کی ایک تحقیقی خبر لے کر حاضر ہوا ہوں۔

میں نے ایک عورت کو پایا جو اپنے لوگوں پر حکومت کرتی ہے اور اس کو ہر چیز میسر ہے اور اس کا تخت عظیم الشان ہے۔

میں نے اس کو اور اس کی قوم کو اللہ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا اور ان کو شیطان نے ان کے اعمال خوشنما کر دکھائے ہیں۔ پس انہیں راہ سے روک دیا ہے تو وہ ہدایت نہیں پاتے۔

(لوگ) اللہ ہی کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمینوں کی چھپی ہوئی چیزوں کو ظاہر کرتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو سب جانتا ہے۔

اللہ ہی معبود حقیقی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

(سلیمان ں نے) کہا: اچھا ہم دیکھتے ہیں کہ تو نے سچ کہا یا جھوٹوں میں سے ہے''۔

ہدہد سے یہ خبر سننے کے بعد حضرت سلیمان ں نے اسے یہ حکم دیا:

اذْهَبْ بِكِتَابِي هَٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ O (النمل۔ ۲۸)

''یہ میرا خط لے جا اور اس کو ان کے پاس ڈال دے پھر ان کے پاس سے ہٹ جا اور دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں''۔

ملکہ سبانے جب خط وصول کیا تو اس کے بعد کیا واقعات پیش آئے؟ قرآن حکیم انہیں یوں بیان کرتا ہے:

قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ ○ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ○ قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ ج مَا كُنْتُ قَاطِعَةً
اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ○ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ لا وَّ الْاَمْرُ اِلَیْكِ فَانْظُرِیْ مَا ذَا تَاْمُرِیْنَ ○ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ج
وَ كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ ○ وَ اِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ○ فَلَمَّا جَآءَ سُلَیْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ز فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَیْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ ج بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِیَّتِكُمْ
تَفْرَحُوْنَ ○ اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ فَلَنَاْتِیَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَ لَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ اَذِلَّةً وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ○ قَالَ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ○ قَالَ عِفْرِیْتٌ
مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ج وَ اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ○ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ط فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ
هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ قف لِیَبْلُوَنِیْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ط وَ مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ج وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ ○ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا
یَهْتَدُوْنَ ○ فَلَمَّا جَآءَتْ قِیْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ط قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ج وَ اُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِیْنَ ○ وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ○
قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ ج فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَیْهَا ط قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ ط قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
(النمل۔۲۹۔۴۴)

"(ملکہ سبانے) کہا اے درباروالو! میرے پاس ایک بڑی بزرگی والا خط ڈالا گیا ہے۔

وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اس میں یہ ہے کہ شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

کہ میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور میرے پاس فرمانبردار ہو کر آجاؤ۔

کہا: اے درباروالو میرے معاملے میں مجھے مشورہ دو۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس حاضر نہ ہو۔

وہ بولے ہم بڑے زورآور جنگجو ہیں آپ کو اختیار ہے پھر آپ جو حکم دیں اس پر غور فرمالیں۔

اس نے کہا: جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور اس کے معزز لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔

اور میں ان کے پاس ایک تحفہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں۔

پھر جب (قاصد) سلیمان کے پاس پہنچا انہوں نے کہا کیا تم مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو۔ مجھے جو اللہ نے دیا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تم کو دیا ہے بلکہ اپنے تحفہ سے تم ہی خوش رہو۔

اور ان کے پاس واپس جاؤ ہم ان پر ایسے لشکروں کے ساتھ حملہ کریں گے جن کا مقابلہ ان سے نہ ہو سکے گا اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکالیں گے اور وہ خوار ہوں گے۔

فرمایا: اے سردارو تم میں سے کون ہے کہ اس کا تخت میرے سامنے لے آئے قبل اس کے کہ وہ فرمانبردار ہو کر میرے سامنے حاضر ہوں۔

جنوں میں سے ایک طاقتور جن نے کہا میں اسے حاضر کیے دیتا ہوں قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں اور میں اس کے لیے طاقتور اور امانت دار ہوں۔

ایک شخص نے جس کے پاس علم کتاب تھا کہا میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے قبل ہی اسے حاضر کر سکتا ہوں۔

پھر جب اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو فرمایا یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو شکر ادا کرتا ہے تو وہ اپنے لیے شکر کرتا ہے او جو ناشکری کرتا ہے تو میرا پروردگار بے نیاز اور کرم فرمانے والا ہے۔

کہا: کہ اس کے تخت کی اس کے لیے صورت بدل دو، دیکھیں وہ پہچانتی ہے یا ان میں سے ہے جو راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

پھر جب وہ آ پہنچی تو پوچھا گیا کہ کیا آپ کا تخت ایسا ہی ہے۔ اس نے جواب دیا گویا یہ وہی ہے اور اس سے قبل ہی علم ہو چکا ہے اور ہم فرمانبردار ہو چکے ہیں۔

اور سلیمانؑ نے اس کو ان چیزوں سے جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتی تھی روک دیا وہ کافروں میں سے تھی۔

اس سے کہا گیا کہ دیوان خاص میں چلیے۔ پھر جب اس نے فرش کو دیکھا تو سمجھی کہ گہرا پانی ہے اور اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ کہا: یہ تو ایک محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ بول اٹھی: اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا، میں اللہ کے آگے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے سلیمان کے ساتھ مسلمان ہوں"۔

حضرت سلیمان ں کا محل

وہ سورتیں اور آیات جن میں ملکہ سبا کا ذکر ہے، حضرت سلیمان ں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں حضرت سلیمان ں سے متعلق بہت سی دیگر تفصیلات مثلاً آپ کی عظیم مملکت اور محل کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق حضرت سلیمان ں کے پاس اپنے دور کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ ٹیکنالوجی تھی۔ آپ کے محل میں عجیب و غریب فن پارے، اور دیکھنے والوں کو متحیر کر دینے والی قیمتی اشیاء بھی تھیں۔ محل میں داخلے کا راستہ شیشے کا بنا ہوا تھا۔ قرآن حکیم محل اور اس کی عظمت کا ملکہ سبا پر اثر انداز ہونا یوں بیان کرتا ہے:

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِى الصَّرْحَ ج فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ط قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ط قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

(النمل۔ ۴۴)

"اس سے کہا گیا کہ دیوان خاص میں چلیے۔ پھر جب اس نے فرش کو دیکھا تو سمجھی کہ گہرا پانی ہے اور اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ کہا: یہ تو ایک محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ بول اٹھی: اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا، میں اللہ کے آگے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے سلیمان کے ساتھ مسلمان ہوں"۔

یہودی تحریروں میں حضرت سلیمان ں کے محل کو "معبد سلیمان" کہا جاتا ہے۔ آج اس محل یا معبد کی مغربی دیوار ہی سلامت ہے جسے "دیوار گریہ" بھی کہا جاتا ہے۔ اس محل اور یروشلم میں موجود بہت سی دوسری جگہوں کو زمین بوس کرنے کی وجہ یہودیوں کا گستاخانہ اور سرکش رویہ تھا۔ قرآن حکیم اسے یوں بیان کرتا ہے:

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا O فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُولٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ط وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا O ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا O اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ قف وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ط فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا O (بنی اسرائیل۔ ۴-۷)

"اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں بتادیا تھا کہ تم ملک میں دو بار فساد کرو گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔

پھر جب پہلے کا وقت آیا تو ہم نے تم پر اپنے سخت جنگجو بندوں کو مسلط کر دیا پس وہ تمہارے گھروں میں پھیل گئے اور یہ وعدہ پورا ہو کر رہا۔

پھر ہم نے ان پر تمہاری باری پھیر دی اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی۔ اور تمہاری تعداد بڑھادی۔

اگر تم بھلائی کرتے رہو گے تو اپنا ہی بھلا کرو گے اگر برائی کرو گے تو بھی اپنے ہی لیے۔ پھر جب دوسری بار اللہ کا وعدہ آجائے گا تاکہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور وہ پھر بیت المقدس میں اسی طرح داخل ہوں جس طرح پہلے داخل ہوتے تھے اور جہاں غلبہ پائیں اسے پوری طرح تباہ و برباد کر دیں"۔

وہ تمام قومیں جن کا ذکر ہوا اپنے گستاخانہ رویے اور اللہ سے سرکشی کے سبب عذاب کے مستحق تھے۔ یہودی صدیوں تک ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے رہے تاآنکہ حضرت سلیمان ں کے زمانے میں ارض مقدس میں انہیں اپنا وطن نصیب ہوا۔ مگر پھر اپنی بغاوت، حدودِ الٰہی سے تجاوز اور بد دیانتی کی وجہ سے عذاب کا شکار ہوئے۔ آج کے دور کے جدید یہودی جو ماضی قریب میں اسی علاقے میں پھر آباد ہوئے ہیں اپنی گمراہی پر فرحاں و شاداں ہو کر اسی رویے کا

مظاہرہ کر رہے ہیں جس کا مظاہرہ انہوں نے پہلی تنبیہ سے قبل کیا تھا۔

باب نہم

اصحابِ کہف

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَهْفِ وَالرَّقِیْمِ لا کانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا O

(الکہف۔۹)

"کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور کتبہ والے ہماری (قدرت کی) نشانیوں میں سے عجوبہ چیز تھے"۔

قرآن حکیم کی اٹھارویں سورۃ' الکہف' میں ان لوگوں کے بارے میں تفصیل بیان کی گئی ہے جنہوں نے احکامِ الٰہی کی پیروی پر حاکم وقت کے ظلم و ستم سے بچاؤ کے لیے غار میں پناہ لی تھی۔ قرآن حکیم میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا گیا:

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَهْفِ وَالرَّقِیْمِ لا کانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا O اِذْ اَوَی الْفِتْیَۃُ اِلَی الْکَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّهَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا O فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ فِی
الْکَهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا O ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا O نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ط اِنَّهُمْ فِتْیَۃٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًی O وَّرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا
فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا O هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَۃً ط لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍ م بَیِّنٍ ط فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی
عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا O وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَی الْکَهْفِ یَنْشُرْ لَکُمْ رَبُّکُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَیُهَیِّئْ لَکُمْ مِّنْ اَمْرِکُمْ مِّرْفَقًا O وَتَرَی الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ کَهْفِهِمْ ذَاتَ
الْیَمِیْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِیْ فَجْوَۃٍ مِّنْهُ ط ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ج وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا O وَتَحْسَبُهُمْ اَیْقَاظًا وَّهُمْ
رُقُوْدٌ ق وَّ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ق وَ کَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْهِ بِالْوَصِیْدِ ط لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَیْهِمْ لَوَلَّیْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا O وَکَذٰلِکَ بَعَثْنٰهُمْ لِیَتَسَآءَلُوْا

بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ
وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ○ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ○ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ
فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ○ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ
خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا ۢبِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۬ قف فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ
اَحَدًا ○ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَا۟يْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ○ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ○ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ
سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ○ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۫ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ○ (الکہف: ۹ تا ۲۶)

"کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور کتبہ والے ہماری (قدرت کی) نشانیوں میں سے عجوبہ چیز تھے"۔

جب وہ جوان غار میں پناہ گزیں ہوئے تو ملتجی ہوئے کہ اے ہمارے رب ہمیں اپنی خاص رحمت سے نواز اور ہمارے معاملے کو سنوارنے کا سامان کر دے۔

پھر اس غار میں ہم نے سالہا سال تک کے لیے ان کے کان پر پردہ ڈال دیا۔

پھر ہم نے ان کو اٹھایا تاکہ معلوم کریں کہ دونوں جماعتوں میں سے کس نے صحیح اندازہ لگایا کہ کتنی مدت وہ غار میں رہے۔

ہم آپ کو ان کا حال صحیح صحیح سناتے ہیں۔ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی۔

اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیے۔ جب وہ (ظالم بادشاہ کے سامنے) کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے، ورنہ پھر تو ہم بڑی بے جابات کے مرتکب ہوں گے۔

یہ ہماری قوم ہے جس نے اللہ کے سوا اور معبود ٹھہرائے ہیں۔ یہ لوگ کیوں ان پر کوئی واضح دلیل نہیں لاتے۔ پس اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ باندھے۔

اور جب تم ان سے اور ان کے معبودوں سے الگ ہو گئے جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں تو اب غار میں چل کر پناہ لو۔ تمہارا رب اپنی رحمت تمہارے لیے کشادہ کر دے گا اور تمہارے امور میں سہولت کے سامان فراہم کر دے گا۔

اور اے رسولؐ آپ سورج کو دیکھیں گے کہ جب وہ نکلتا ہے تو ان کے غار سے داہنی جانب بچ کر نکل جاتا ہے اور وہ اس کے ایک کشادہ میدان میں تھے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے اللہ جس کو ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت پاتا ہے اور جس کو حالت گمراہی میں چھوڑ دے تو پھر آپ اس کے لیے کوئی رفیق راہ بتانے والا نہ پائیں گے۔

اور تو خیال کرے گا کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ اور ہم اُن کو داہنی طرف اور بائیں طرف کروٹیں دلاتے رہتے تھے۔ اور ان کا کتا چوکھٹ پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا اگر تو انہیں جھانک کر دیکھتا تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگتا اور ان کی دہشت تیرے دل میں بیٹھ جاتی۔ اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھا دیا تاکہ وہ آپس میں پوچھیں۔ ان میں ایک کہنے والے نے کہا تم کتنا عرصہ رہے ہوں گے؟ وہ بولے ایک دن یا اس سے کم۔ بعض بولے تمہارے رب ہی کو علم ہے کہ تم کتنی مدت رہے۔ بہر حال اپنے میں سے کسی ایک کو شہر کی طرف یہ سکہ دے کر بھیجو کہ وہ ذرا دیکھے کہ کون سا کھانا پاکیزہ ہے۔ سو اس میں سے تمہارے پاس کچھ کھانا آئے اور حسن تدبیر سے کام لے اور تمہاری خبر کسی اور کو نہ ہونے دے۔

اگر ان لوگوں نے تم پر قابو پالیا تو تم کو سنگسار کر ڈالیں گے یا تم کو اپنے دین میں واپس لائیں گے اور تم کبھی فلاح نہ پاؤ گے۔

اور اسی طرح ہم نے ان سے مطلع کر دیا تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور یہ کہ قیامت میں کوئی شبہ نہیں۔ جب کہ اس زمانے میں لوگ ان کے بارے میں جھگڑ رہے تھے۔ پھر کہنے لگے کہ ان کے پاس ایک عمارت بنا دو ان کا پروردگار ہی ان سے بخوبی واقف ہے، جو لوگ ان میں صاحب غلبہ تھے

انہوں نے کہا ہم ان کے پاس ایک عبادت خانہ بنائیں گے۔
لوگ کہتے رہیں گے کہ وہ تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا۔ اور کہیں گے وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا۔ یہ ان کی اٹکل پچو باتیں ہیں اور کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ آپ فرما دیجیے میرا رب ہی ان کی تعداد سے خوب واقف ہے سوائے چند لوگوں کے ان کو کوئی نہیں جانتا۔ لہٰذا آپ ان کے بارے میں ان لوگوں سے بجز سرسری بحث کے زیادہ بحث نہ کیجیے اور ان کے متعلق ان میں سے کسی سے بھی دریافت حال نہ کیجیے۔
اور آپ کسی کام کے متعلق یہ نہ کہیے کہ میں اس کو کل کر دوں گا۔
مگر یہ کہ اگر اللہ نے چاہا اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کیجئے۔ اور فرما دیجیے کہ امید ہے کہ میرا رب مجھے بھلائی کی اس سے قریب تر راہ بتا دے۔
اور وہ اپنے غار میں نو اوپر تین سو سال رہے۔
آپ فرما دیجیے جتنی مدت وہ غار میں رہے اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کے پوشیدہ راز اسی کے علم میں ہیں۔ وہ کیا خوب دیکھنے والا اور کیا اچھا سننے والا ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی ان کا کارساز ہے اور نہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے"۔
معروف عقیدہ کے مطابق اصحابِ کہف کو اسلامی اور عیسائی دونوں حوالوں سے تقدس حاصل ہے۔ ان پر رومی شہنشاہ دقیانوس (Decius) ظلم و ستم کر رہا تھا اس کے باوجود انہوں نے اپنی قوم کو کفر و شرک ترک کرنے اور ایک اللہ کی عبادت کی تلقین کی۔ جب لوگوں نے ان کی دعوت پر توجہ نہ دی اور بادشاہ کا ظلم بھی بڑھتے بڑھتے ان کے قتل تک آپہنچا تو انہوں نے اپنے گھروں کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ اس دور کا تاریخی ریکارڈ اس امر کا گواہ ہے کہ کئی حکمران اس دور میں دہشت گردی، ظلم و ستم کی پالیسی اپنائے ہوئے تھے اور دین عیسوی پر کاربند رہنے والوں کا عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔
شمال مغربی اناطولیہ کے رومن گورنر پلینیس () (Pilinius ۹۶-۱۱۳عیسوی) نے شہنشاہ روم ٹرایانوس (Trayanus) کو ایک خط لکھا کہ اس نے مسیح کے کچھ پیروکاروں کو سزائیں دیں کیونکہ وہ بادشاہ کے مجسّے کی عبادت نہ کرتے تھے۔ یہ خط ابتدائی دور کے عیسائیوں پر ظلم و ستم کا ایک ثبوت ہے۔ ایسے حالات میں جب ان نوجوانوں پر دین حق ترک کرنے اور باطل دین کی پیروی کے لیے دباؤ ڈالا گیا تو انہوں نے کہا:
فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا o هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا o (الکہف۔۱۴۔۱۵)
"ہم آپ کو ان کا حال صحیح صحیح سناتے ہیں۔ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی۔
اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیے۔ جب وہ (ظالم بادشاہ کے سامنے) کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے، ورنہ پھر تو ہم بڑی بے جا بات کے مرتکب ہوں گے"۔
جہاں تک اصحابِ کہف کے غار کا تعلق ہے اس کے متعلق کئی نقطہ نظر ہیں۔ تاہم زیادہ امکان یہی ہے کہ یہ غار ایفی سس (Ephesus) اور طرسوس (Tarsus) میں واقع ہے۔
تمام عیسائی حوالوں کے مطابق یہ غار ایفی سس (Ephesus) میں واقع ہے۔ اس سے کئی مسلمان محققین اور مفسرین بھی متفق ہیں۔ جبکہ کچھ کے نزدیک یہ تصور غلط ہے اور غار کا اصل مقام طرسوس (Tarsus) ہے۔ اس باب میں ہم ان دونوں نقطہ ہائے نظر کا جائزہ لیں گے۔ تاہم تمام عیسائی اور مسلمان محققین و مفسرین اس پر متفق ہیں کہ یہ واقعہ رومی شہنشاہ دقیانوس (۲۵۰عیسوی) کے زمانے میں پیش آیا۔
نیرو اور دقیانوس عیسائیوں پر ظلم کرنے والے مشہور رومی شہنشاہ ہیں۔ اپنے مختصر دور حکمرانی میں اس نے ایک قانون نافذ کیا جس کے تحت ہر شخص پر رومی دیوتاؤں کو قربانی پیش کرنا ضروری تھا۔ ہر شخص پر یہ قربانی کرنا اور اس کا تصدیقی ثبوت حاصل کرنا ضروری تھا جو وہ حکومتی کارندوں کو عند الطلب دکھاتا تھا۔

جوایسانہ کرتے انہیں سزادی جاتی تھی۔عیسائی تحریروں میں موجود ہے کہ عیسائیوں کی کثیر تعداد جوبت پرستی کا یہ عمل کرنے سے انکار کرتے تھے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پناہ کی تلاش میں ہجرت کرتے رہتے تھے۔اور اصحابِ کہف بھی انہی ابتدائی عیسائیوں میں سے تھے۔

مزید برآں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اکثر مسلم اور عیسائی مورخوں نے اس واقعہ کو ایک داستان کے طور پر بیان کیا ہے اور اس میں وقت گزرنے کے ساتھ بہت سی غیر ضروری روایتیں بھی شامل ہو گئی ہیں جبکہ فی الحقیقت یہ محض داستان نہیں بلکہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔

کیا اصحابِ کہف ایفی سس میں ہیں؟

اصحابِ کہف کی جائے پناہ کے بارے میں متعدد آراء ہیں۔اس اختلاف کی بڑی وجہ ہر علاقے کے لوگوں کی یہ خواہش ہے کہ ان بہادر لوگوں کا تعلق ان کے وطن سے ہو اور وہاں اس طرح کے غاروں کی موجودگی ہے۔اور پھر ان تمام جگہوں میں اس کی مثال مختلف غاروں پر عبادت گاہوں کی تعمیر ہے۔

جیسا کہ مشہور ہے ایفی سس(Ephesus) عیسائیوں کی مقدس جگہ ہے۔یہاں حضرت مریم علیہا السلام کا گھر ہے جسے بعد میں چرچ میں بدل دیا گیا۔سو یہ عین ممکن ہے کہ اصحابِ کہف یہیں کی غار میں قیام پذیر ہوئے ہوں۔اکثر عیسائی کتب میں بھی اس جگہ کو اصحابِ کہف کا مقام قرار دیا گیا ہے۔

اس کا قدیم ترین تاریخی ثبوت شامی پادری جیمز آف سارس(James of Saruc)(۴۵۲عیسوی) ہے۔معروف مورخ گبن(Gibbon) نے 'تاریخ زوال سلطنت روما' میں جیمز کی کتب کے کئی حوالے دیے ہیں۔اس کے مطابق سات عیسائی نوجوانوں کو عیسائیت ترک کرنے اور غار میں پناہ لینے پر مجبور کرنے والے بادشاہ کا نام دقیانوس تھا۔دقیانوس کا دور حکمران ۲۴۹ سے ۲۵۱ عیسوی ہے اور یہ دور حضرت عیسیٰ کے پیروکاروں پر ظلم وستم کے لیے مشہور ہے۔مسلم مفسرین کے مطابق یہ واقعہ ایفی سس(Aphesus) یا ایفی ساس(Aphesos) میں پیش آیا۔گبن کے مطابق اس جگہ کا نام ایفی سس(Ephesus) ہے۔اناطولیہ کے مغربی کنارے پر واقع یہ شہر سلطنتِ روما کی ایک بڑی بندرگاہ اور بڑا شہر تھا۔اس شہر کے کھنڈر آج بھی "ایفی سس کا پرانا شہر" کے نام سے مشہور ہے۔

اصحاب کہف کی بیداری کے وقت رومی حکمران کا نام مسلم محققین کے مطابق تیزئیس(Tezusius) اور گبن کے نزدیک تھیوڈوسیئس دوم (Theodosius II) ہے۔یہ حکمران سلطنت روما کے عیسائی ہو جانے کے بعد ۴۰۸-۴۵۰ء کے دوران اقتدار میں رہا۔

کچھ مفسرین کے مطابق درج ذیل آیات کی روشنی میں غار میں داخلہ شمال سے تھا تاکہ روشنی اندر نہ آسکے۔اس طرح غار کے قریب سے گزرنے والا اندر نہیں دیکھ سکتا تھا۔قرآن حکیم اسے یوں بیان کرتا ہے:

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ط ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا o (الکہف۔۱۷)

"اور (اے رسول!) آپ سورج کو دیکھیں گے کہ جب وہ نکلتا ہے تو ان کے غار سے داہنی جانب بچ کر نکل جاتا ہے اور وہ اس کے ایک کشادہ میدان میں تھے۔یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے اللہ جس کو ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت پاتا ہے اور جس کو حالت گمراہی میں چھوڑ دے تو پھر آپ اس کے لیے کوئی رفیق راہ بتانے والا نہ پائیں گے"۔

ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر موسیٰ باران اپنی کتاب ایفی سس Ephesus) (میں اسے ہی اصحابِ کہف کی جائے پناہ قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

"۲۵۰ء میں ایفی سس(Ephesus) کے سات نوجوانوں نے بت پرستی ترک کر کے عیسائیت اختیار کر لی۔جائے پناہ کی تلاش میں وہ پی آن(Pion) پہاڑی کی مشرقی ڈھلوان کی غار میں چلے گئے۔رومی سپاہیوں نے اسے دیکھا اور اس کے داخلے کی راہ پر ایک دیوار تعمیر کر دی"۔

آج یہ حقیقت سامنے آچکی ہے کہ ان کھنڈروں اور قبروں پر بہت سی مذہبی عمارات تعمیر کی گئیں۔آسٹریا کے آرکیالوجیکل انسٹیٹیوٹ کی ۱۹۲۶ء کی کھدائیوں

کے دوران کوہِ پی آن(Pion) کی مشرقی ڈھلوان میں ساتویں صدی(تھیوڈوسیئس دوم کا دور) کی تعمیر کردہ اصحاب کہف سے متعلق عمارات سامنے آئی ہیں"۔

کیا اصحابِ کہف طرسوس (Tarsus)میں ہیں؟

اصحابِ کہف کے قیام کی دوسری جگہ(Tarsus)بیان کی جاتی ہے۔اس شہر کے شمال مغرب میں این کی لس(Encilus)یا بین کی لس (Bencilus)نامی پہاڑ میں قرآن حکیم میں بیان کردہ تفصیل سے مماثل اصحابِ کہف کا ایک غار موجود ہے۔

کئی مسلم محققین کے مطابق یہ تصور درست ہے۔معروف مفسر قرآن امام طبری نے اصحابِ کہف کی پہاڑی کا نام بین کی لس(Bencilus)بیان کیا ہے اور اپنی کتاب تاریخ امم میں شہر کا نام طرسوس لکھا ہے۔جبکہ ایک اور مفسر محمد امین نے پہاڑ کا نام پین کی لس(Pencilus) اور شہر کا نام طرسوس ہی لکھا ہے۔عین ممکن ہے کہ پین کی لس(Pencilus) کا تلفظ بھی این کی لس ہو گیا ہو۔اس کے مطابق ان الفاظ میں فرق کا باعث لفظ B کے مختلف اندازِ ادائیگی یا مرورِ وقت کے ساتھ 'B' کا ختم ہو جانا ہے۔

امام فخر الدین رازی جو معروف قرآنی عالم ہیں لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس جگہ کو ایفی سسEphesus کہا جاتا ہے مگر مراد اس سے طرسوس ہی ہے۔کیونکہ یہ بھی طرسوس ہی کا دوسرا نام ہے۔

ان کے علاوہ قاضی بیضاوی، امام نسفی، جلالین، التبیان، المالی(Elmali) نصوحی بلمن(O.Nasuhi Bilmen) اور بہت سے دوسرے محققین کے مطابق یہ جگہ طرسوس ہی ہے۔یہ تمام مفسرین سورۃ کہف کی سترھویں آیت "سورج طلوع کے وقت غار کے دائیں اور غروب کے وقت بائیں طرف جھک جاتا تھا" کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ اس غار کا دھانہ شمال کی طرف واقع ہے۔

اصحابِ کہف کے قیام کی جگہ سلطنتِ عثمانیہ کے دور میں بھی تحقیق کا موضوع رہی۔اس حوالے سے عثمانی آرکیوز کے محکمہ اور وزارت عظمیٰ میں خط و کتابت بھی ہوتی رہی۔طرسوس کی مقامی انتظامیہ کی طرف سے عثمانی وزارت خزانہ کو خط لکھا گیا کہ اصحاب کہف کے غار کی دیکھ بھال کرنے والوں کی تنخواہ کا انتظام کیا جائے۔اس کے جواب میں وزارت خزانہ کی طرف سے لکھا گیا کہ ان لوگوں کو حکومتی خزانے سے تنخواہ دینے سے قبل اس امر کی تصدیق ضروری ہے کہ کیا واقعی وہ غار اصحابِ کہف کا ہے۔اس بارے میں کی جانے والی تحقیق اصحابِ کہف کے مقام کے تعین میں کافی مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

نیشنل کونسل کی طرف سے کی جانے والی تحقیق میں لکھا گیا کہ طرسوس کے شمال میں صوبہ ادانہ میں طرسوس سے دو گھنٹے کے فاصلے پر پہاڑی پر ایک غار ہے جس کا دھانہ قرآن حکیم کی تفصیل کے مطابق شمال کی طرف ہی واقع ہے۔

یہ سوال کہ اصحابِ کہف کون تھے، ان کا زمانہ اور علاقہ کیا تھا؟ ہر دور میں اہل تحقیق کا موضوع رہا ہے اور اس پر بہت معلومات بھی سامنے آتی رہی ہیں۔تاہم دستیاب معلومات سے کسی کو بھی یقینی قرار نہیں دیا جا سکتا۔اور اصحابِ کہف جن کا ذکر قرآن میں آیا، کے زمانے اور علاقے کے بارے میں کوئی تعین تاحال کسی ٹھوس ثبوت اور تاریخی شہادت کی فراہمی کا متقاضی ہے۔

حاصل کلام

اَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ط كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ط فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ○ (الروم۔۹)

’’کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ وہ لوگ قوت میں ان سے کہیں بڑھ کر تھے اور انہوں نے زمین کو جوتا تھا اور اس سے کہیں زیادہ اسے آباد کیا تھا جس قدر انہوں نے آباد کیا ہے اور ان کے پاس رسول نشانیاں لے کر پہنچے، پھر اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے‘‘۔

وہ تمام اقوام جن کا ہم نے تذکرہ کیا احکام الٰہی سے سرتابی، سرکشی اور شرک جیسی برائیوں میں ایک جیسی تھیں۔ وہ زمین میں فساد برپا کرنے والے، ظلم وستم سے دوسروں کی املاک ہتھیانے والے، جنسی گناہوں کا ارتکاب کرنے والے اور باغی لوگ تھے۔ ان سب میں دوسری مشترک بات اپنے قرب وجوار میں رہنے والے اہل ایمان سے دشمنی اور انہیں ہر طرح سے آزار پہنچانا تھا۔

قرآنی تعلیمات کا مقصد صرف تاریخ کا درس دینا ہرگز نہیں بلکہ انبیاء کے تذکرے کو قرآن مثال کے طور پر بیان کرتا ہے۔ وہ اقوام جو پہلے تباہ کر دی گئیں وہ آنے والی اقوام کے لیے درس عبرت ہیں تاکہ وہ راہ حق پر رہیں:

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسَاكِنِهِمْ ط اِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النُّهَىٰ ○ (طٰہٰ۔۸۶۱)

’’کیا انہوں نے اس بات سے سبق نہ لیا کہ ہم نے ان سے پہلے کئی امتوں کو غارت کر دیا جن کی آبادیوں میں یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں، بے شک اس میں عقل والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں‘‘۔

اگر ہم ان واقعات کو بطور مثال اور عبرت اپنے سامنے رکھیں تو بحیثیت مجموعی ہمارے احوال بھی گناہ اور احکام الٰہی سے دوری میں تباہ شدہ اقوام سے کچھ زیادہ بہتر نہیں۔ مثلاً آج ہمارے معاشرے میں موجود لواطت اور ہم جنسی کا شکار اکثر افراد ہمیں قوم لوط کی یاد دلاتے ہیں۔ ہم جنس پرست معاشرے کے اہم نمایاں افراد کے ساتھ جنسی تقریبات میں شرکت کر کے ان تمام بدکاریوں کا مظاہرہ کرتے ہیں جو سدوم اور گموارہ میں کی جاتی تھیں۔ خصوصاً دنیا کے بڑے شہروں میں کچھ ایسے گروہ بھی ہیں جو ان سرگرمیوں میں پومپی شہر کے مکینوں سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔

تمام سابقہ اقوام کو قدرتی آفات مثلاً زلزلے، طوفان اور سیلاب وغیرہ کے ذریعے مبتلائے عذاب کیا گیا۔ اسی طرح دور جدید کے وہ معاشرے جو ان اقوام کی طرح گمراہی کا شکار ہو چکے ہیں اسی طرح مبتلائے عذاب بھی ہو سکتے ہیں۔

ہمیں یہ بات کبھی بھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ اللہ جب چاہے اور جسے چاہے عذاب دے سکتا ہے اور وہ جسے چاہے اس دنیا میں عذاب نہ دے بلکہ آخرت میں عذاب میں مبتلا کرے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ ج فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ج وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ج وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ ج وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا ج فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ○ (العنکبوت۔۰۴)

’’پھر ہر ایک کو ان کے گناہوں پر ہم نے پکڑا، تو ان میں سے بعض پر ہم نے ہوا کے ساتھ پتھر برسائے اور بعض وہ تھے جن کو ایک چنگھاڑ نے پکڑ لیا۔ اور ان میں کسی کو ہم نے زمین میں دھنسایا اور کسی کو ہم نے ڈبو دیا اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا البتہ یہ خود اپنے پر ظلم کر رہے تھے‘‘۔

قرآن حکیم میں فرعون کے خاندان کے ایک صاحب ایمان فرد کا ذکر موجود ہے جو حضرت موسیٰؑ پر ایمان لے آیا تھا مگر اپنے ایمان کو مخفی رکھے ہوئے تھا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا:

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُم مِّثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ○ مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ○ وَيَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ

يَوْمَ التَّنَادِ ○ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ج وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ○
(المومن۔۳۰۔۳۳)

''اور اس شخص نے جو ایمان لے آیا تھا کہا اے میری قوم مجھے تم پر ایسے روز بد کا اندیشہ ہے جو دوسری قوموں پر پڑا جیسا کہ قوم نوح و عاد و ثمود اور ان کے بعد آنے والوں کا حال ہوا اور اللہ بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔
اور اے میری قوم مجھے تمہارے بارے میں پکار کے دن کا اندیشہ ہے۔
اس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے، کوئی تم کو بچانے والا نہ ہو گا۔ اور جس کو اللہ راہ راست نہ دکھائے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں''۔

ہر پیغمبر نے اپنی قوم کو عذاب سے ڈرایا، یوم حشر یاد دلایا اور اس صاحبِ ایمان کی طرح اللہ کی گرفت سے بچنے کی تلقین کی۔ انبیاء کی زندگیاں اپنی قوم پر ان حقائق کو بار بار واضح کرنے میں گزریں۔ مگر اکثر لوگوں نے انہیں جھٹلایا اور ان پر دنیاوی جاہ و مرتبہ اور علو کے حصول کا الزام لگایا۔ انہوں نے انبیاء کی دعوت و سیرت پر غور کرنے کی بجائے اپنی ڈگر کو ہی اپنائے رکھا بلکہ کچھ تو اس حد تک بڑھ گئے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان کو قتل کر دیا۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر لبیک کہنے والے تعداد میں کم ہی لوگ تھے مگر جب عذاب آیا، انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکار اہلِ ایمان کو اللہ نے نجات عطا کی۔

اگرچہ ہزاروں سال گزر چکے ہیں، جگہوں، اطوار، تہذیبوں اور ٹیکنالوجی میں تبدیلیاں اور ترقی ہو گئی ہے مگر اہل کفر کا مذکورہ بالا باطل سماجی نظام ویسا ہی ہے۔

ہمارے معاشرے کے کچھ حصوں میں وہ تمام خرابیاں موجود ہیں جو اقوام سابقہ میں تھیں۔ ثمود کی طرح جو ناپ تول میں کمی کرتے تھے ہمارے معاشرے میں ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی عام ہے۔ ہم جنس پرستی عام ہو چکی ہے۔ ہم جنس پرست ہر موقع پر اسے اپنا حق قرار دیتے ہوئے اپنا دفاع کرتے ہیں اور کسی طور بھی قوم لوط سے کم نہیں ہیں۔ معاشرے کے کئی لوگ دنیاوی نعمتوں اور دولت کی موجودگی کے باوجود عدم تشکر اور باغیانہ طرز عمل میں اہل سبا اور اہل ارم سے بھی بڑھ گئے ہیں اور اہل ایمان سے بدسلوکی میں قوم نوح اور سماجی انصاف کی پامالی میں قوم عاد کے مماثل ہیں۔

یہ آثار بہت ہی خوفناک ہیں۔

ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ معاشرہ کتنی بھی تبدیلیوں سے کیوں نہ گزر جائے اور ٹیکنالوجی کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر جائے اخلاقی زوال کے ہوتے ہوئے اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہ سب کچھ ہمیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ قرآن حکیم ہمیں یاد دلاتا ہے کہ:

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَا اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ط فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ (الروم۔۹)

''کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ وہ لوگ قوت میں ان سے کہیں بڑھ کر تھے اور انہوں نے زمین کو جوتا تھا اور اس سے کہیں زیادہ اسے آباد کیا تھا جس قدر انہوں نے آباد کیا ہے اور ان کے پاس رسول نشانیاں لے کر پہنچے، پھر اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے''۔

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط اِنَّكَ
اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ○ (البقرۃ۔۳۲)
''تیری ذات پاک ہے ہم کو علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا
بے شک تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے''